سیرت

حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرتب

مفتی محمد راشد نظامی

ناشران تاجران کتب

فون 061-4513863

سیرتِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین و خا تم النبین

اما بعد! اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کی بدولت فقیر ایک عاشق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر قلم اٹھا رہا ہے۔
اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات اقدس سے شاید ہی کوئی اہل اسلام ہو جو واقف نہ ہو، آپ ایک ایسی شخصیت تھے کہ آپ پر، آپ کے کلام پر اور آپ کی تحریروں پر تا حال تحقیق ہو رہی ہے۔
جس طرح بعض مقتدر شخصیات کے صفاتی نام کچھ ایسے مشہور و معروف ہوتے ہیں کہ اصل نام ہی چھپ جاتا ہے۔ ایسا ہی ہمیں آپ کے نام میں معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام خواص و عوام میں گنج شکر مشہور ہے اسی طرح حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام خواص و عوام میں حضرت داتا گنج بخش مشہور ہے۔ بالکل اسی طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اعلیٰ حضرت کے طور پر مشہور ہے۔ مگر اس میں کچھ انداز سے جدت پیدا ہوئی کہ کسی نے بھی منہ سے اعلیٰ حضرت نکالا اور سننے والا مطلب آپ ہی کی ذات کو سمجھا۔ یعنی یہ ایک قسم کا معتبر نام ٹھہرا کہ بھلے کسی کو بھی اعلیٰ حضرت کہا جائے۔ سننے والا یہ خیال کرے گا کہ شاید ذکر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہو رہا ہے۔

ولادتِ باسعادت

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی پیدائش سے قبل ایک صاحب حضرت مولانا رضا علی خان صاحب جو کہ آپکے دادا جان تھے کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے آپ کے گوش گزار ایک خواب کیا، جس میں ان کا ذکر بھی تھا۔ یعنی یہ خواب حضرت مولانا رضا علی خان صاحب سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ چونکہ خوابوں کی تعبیر بتانے میں آپ ایک بلند درجہ رکھتے تھے، اس لئے جب کوئی غیر معمولی خواب دیکھتے تو فوراً آپ سے رجوع کرتے۔
روایت ہے کہ آپ نے خواب سن کر تبسم فرمایا اور ان صاحب سے فرمایا کہ بھائی ابھی اس خواب کی تعبیر بتلانے کا وقت نہیں آیا جب تعبیر ظاہرہ ہوگی تو ہم تمہیں خود ہی بتلا دیں گے۔ وہ صاحب یہ جواب سن کر خاموش رہے اور اسی انتظار میں رہے کہ ذرا دیکھیں تو اس خواب کی تعبیر کیا بر آمد ہوتی ہے۔
پھر جب اعلیٰ حضرت پیدا ہوئے تو حضرت رضا علی خان صاحب نے انہی صاحب کو طلب فرمایا اور ان کو بتلایا کہ اس دن جو تم نے خواب سنایا تھا یہی ہے اس کی تعبیر۔ ان صاحب کی تسلی و تشفی ہوگئی اور ان کو اپنے خواب کی تعبیر بھی مل گئی۔ وہ یہ واقعہ کافی عرصہ تک لوگوں کو سناتے رہے۔ حضرت علی خان صاحب نے اسی مجلس میں فرمایا کہ سنو! اِن شاءَ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست عالم دین ہوگا اور اس سے دین بڑی دور تک پھیلے گا۔

یہ بشارت سن کر تمام اہل خانہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ ان کے گھر میں ایک ایسا عالم دین پیدا ہوا ہے کہ جس کی بدولت ان سب کو عزت وتکریم حاصل ہوگی۔آپ کی ولادت باسعادت 1856ء میں بریلی شریف میں ہوئی۔ یہ دور اہل اسلام کیلئے دور ابتلا سے کسی طرح کم نہ تھا۔ملک میں عجیب قسم کی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔انگریز اپنی سیاست اور تدبیر کے ذریعہ پورے ہندوستان پر قبضہ کرتا چلا جارہا تھا۔

آپکی ولادت کے محض ایک برس کے بعد ہی جنگِ آزادی لڑی گئی اور اس میں فتح کے بعد انگریزوں نے اہل اسلام پر ظلم وبربریت کی انتہا کرڈالی۔ کیونکہ اس جنگ میں فقط مسلمانوں نے ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔لازمی بات ہے کہ جب انگریز مکمل طور پر ہندوستان پر قابض ہوگیا تو اس نے مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچانا تھا۔ان پرآشوب حالات میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

ایک بات اور عرض کرتا ہوں ان حالات میں انگریزوں نے اہل اسلام میں تفرقہ ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور اپنی مرضی کے علمائے دین کو اس سلسلہ میں خوب خوب استعمال کیا۔لیکن قدرت کاملہ نے ان کے سد باب کیلئے ایک مرد جلیل اسی دور میں پیدا فرمایا جس کی فہم وفراست ان سب سے بلندتر درجہ کی حامل تھی۔

آباؤ اجداد

مولانا حسنین رضا خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس خاندان میں سلف سے چلی آرہی ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ، والیان قندھار کے خاندان سے تھے۔شہزادہ سعیداللہ خاں صاحب ولی عہد حکومت قندھار کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا سوتیلی ماں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کیلئے ولی عہدی کی جگہ حاصل کرنے کے سلسلے میں ان باپ بیٹوں میں اس قدر نفاق پیدا کروائے کہ شہزادہ سعیداللہ خان صاحب جو کہ پہلے ولی عہد تھے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کردیا گیا۔ان کیساتھ بوقت ہجرت چند احباب بھی تھے۔

یہ ساری جماعت دشوار گزار منزلیں طے کرتی ہوئی وارد لاہور ہوئی۔لاہور کے گورنر نے دارالسلطنت دہلی اطلاع کروائی کہ قندھار کے ایک شہزادہ صاحب باہمی کشیدگی کی وجہ سے ترک وطن کرکے لاہور آئے ہیں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ان کو حکم ہوا کہ شہزادے کی مہمان نوازی کی جائے اور ان کو عمدہ رہائش دی جائے۔ چنانچہ شاہی قلعہ میں واقع شیش محل برائے رہائش دیا گیا اور شاہی طور پر ان کی مہمان نوازی ہونے لگی۔مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد آرام طلبی سے گھبرا گئے اور عازم دہلی ہوئی۔ دہلی میں بھی ان کا پرتپاک استقبال ہوا اور ان کو فوج میں ممتاز عہدے پر فائز کردیا گیا۔جبکہ انکے احباب کو بھی اعلیٰ فوجی عہدوں سے نوازا گیا۔

اس منصب کو آپ نے قبول فرمایا اور اپنے ماتحت سپاہیوں کی اعلیٰ پیمانے پر تربیت کرنے لگے۔ انہی ایام میں روہیل کھنڈ میں کچھ مفسد عناصر نے سرکشی اختیار کی۔ چنانچہ آپ کی ذمہ داری اس بغاوت کو فرو کرنے پر لگائی گئی۔ آپ نے بڑی فہم و فراست سے اس بغاوت کو کچل دیا۔ اس کے بعد آپ کو روہیل کھنڈ میں صوبہ دار مقرر کر دیا گیا۔ یہ عہدہ گورنر کے عہدہ کے برابر تھا۔ چنانچہ آپ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ بریلی میں جو کہ روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا، رہنے لگے۔ یہاں آپ کو ذات مصارف کیلئے ایک وسیع جاگیر بھی عطا ہوئی۔ مگر یہ جاگیر جنگ آزادی 1857ء کے بعد انگریزوں نے ضبط کر کے تحصیل ملک ضلع رام پور میں شامل کر دی۔ یعنی اس وقت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر سعید فقط ایک برس تھی۔ اس جاگیر کا مشہور اور وسیع موضع وہنیلی تھا۔ سعید اللہ خاں صاحب نے بریلی میں ہی سکونت کو اس لئے پسند کیا کہ اس دور میں کوہستان روہ کے چند پٹھان خانوادے وہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ جن کی وجہ سے سعید خان صاحب کو اپنے وطن کی یاد تازہ ہوتی رہتی تھی۔

پیرانہ سالی کی وجہ سے جب انہوں نے ملازمت کو خیر باد کہہ دیا تو پھر باقی ماندہ زندگی یادِ الٰہی میں متوکلانہ گزار دی۔ پھر جب آپ نے وصال فرمایا تو آپ کو اسی میدان میں دفن کر دیا گیا۔ اس میدان کو بعد میں قبرستان بنا دیا گیا اور آپ کے مزار کو لوگوں نے شہزادے صاحب کا تکیہ کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ یہ میدان اب معماران بریلی کے محلّہ سے متصل ہے۔

سعید اللہ خان صاحب کے صاحبزادے سعادت یار خان دہلی دربار میں وزیر تھے اور انہوں نے دورانِ وزارت دو نشانیاں چھوڑیں ایک تو سعادت گنج بازار اور ایک نہر سعادت خان، حافظ کاظم علی خان صاحب کے دور میں مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ آپ ابتر حالات کی وجہ سے دہلی سے لکھنؤ آگئے جو کہ اودھ کا دارالحکومت تھا۔ مگر اودھ بھی انگریزوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ حضرت کاظم علی خان صاحب کے دو صاحبزادے تھے اور دونوں کے نام جاگیریں تھیں۔ یہ صاحبزادے مولانا رضا علی خان صاحب اور حکیم نقی علی خان صاحب تھے۔ حکیم نقی علی خان صاحب نے فن طب میں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل کی اور ریاست جے پور میں طبیب خاص کا عہدہ حاصل کیا۔

مولانا رضا علی خان صاحب جو کہ اعلیٰ حضرت کے دادا تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اس خاندان میں علم و دولت حاصل کی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد انہوں نے سب سے پہلے جن مسند افتاء کو رونق بخشی تو خاندان کے ہاتھ میں تلوار کی جگہ قلم آگیا۔ اب یہ خاندان ملک کی حفاظت کے بجائے دین کی حفاظت کی جانب متوجہ ہوا۔ حضرت رضا علی خان صاحب اپنے دور میں مرجع فتاویٰ رہے۔ انہوں نے خطبے جمعہ و عیدین لکھے جو آج کل خطبہ علمی کے نام سے ملک بھر میں رائج ہیں۔

خطبہ علمی کو ربّ العزت نے وہ شان قبولیت عطا فرمائی کہ آج تک کوئی خطبہ اس کی جگہ نہ لے سکا اور نہ لے سکے گا۔ ان کے صاحبزادے مولانا نقی علی خان نے جب ان سے سند تکمیل حاصل کی تو افتاء اور زمینداری دونوں ان کے سپرد ہو گئے۔ مولانا نقی علی خان صاحب نے بھی علاوہ فتویٰ نویسی کے پچیس کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے کچھ ہی کتابیں شائع ہو پائیں۔ دو کتابیں آپ کی بے حد مقبول عام ہو گئیں۔ ایک تو سرور القلوب فی ذکر المحبوب اور دوسری جواھر البیان فی اسرار الارکان ہے۔ یہ کتابیں بارہا شائع ہو چکی ہیں۔

یہ شہر کے روسا میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کو ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین میں گنا جاتا تھا، تصنیفات کے علاوہ ان کا ایک لازوال شاہکار بھی اس دنیا میں موجود تھا اور وہ تھا اعلیٰ حضرت کی صورت میں، یہ شاہکار آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ تھا، اعلیٰ حضرت کی تعلیم وتربیت ہی وہ شاہکار ہے جوان کا نام صدیوں تک زندہ رکھنے کیلئے کافی ہے۔

مولانا نقی علی خان صاحب بھی اپنے وقت میں مرجع وفتاویٰ تھے مگر اعلیٰ حضرت نے ان کو اپنی کم سنی ہی میں فتویٰ نویسی سے سبکدوش کردیا یوں ہوا کہ فقط گیارہ برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت نے سند تکمیل حاصل کی اور مسند افتاء پر بٹھادیئے گئے آپ کی مسند افتاء پر رونق افروز ہونے سے آپ کے والد ماجد افتاء کی جانب سے مکمل مطمئن ہوگئے، اب وقت آیا کہ وہ اپنے باغ کی بہار دیکھتے۔ اسی دوران ان پر سحر کا اثر ہوا مگر روحانی قوت کی وجہ سے اثرات کم رہے۔ یونہی چار برس تک کشمکش چلتی رہی۔ اسی دور میں وہ بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے اور اسی حالت میں حج بیت اللہ شریف کیا اور روضۃ الرسول میں حاضری کی سعادت حاصل کی ان سفروں میں اعلیٰ حضرت بھی ہمراہ تھے۔

ان فرائض سے فارغ ہوکر حضرت مولانا نقی علی خان صاحب 1297ھ میں اس عالم فانی سے کوچ فرماگئے۔

اس گھرانے کے شاہی خاندان سے ہونے کی بعض نشانیاں تھوڑی بہت بفضل تعالیٰ اب تک باقی ہیں۔ اس خاندان کی غیر معمولی ذہانت اور عالی دماغی، خودداری اور سیر چشمی، جرأت اور بہادری، صبر واستقلال، بے لوث خدمت خلق، عام ہمدردی ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جو تا حال اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو عطا کر رکھے ہیں اور خاص طور پر اعلیٰ حضرت کی ذات اقدس میں تو یہ تمام اوصاف حمیدہ ابتدا سے تا دم وصال، ہند سے عرب تک لاکھوں فرزندان توحید نے چھلکتے دیکھے۔ جس نے زیادہ قریب سے مشاہدہ کیا اس نے زیادہ فیض حاصل کیا۔

اعلیٰ حضرت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین متین کی خدمت کیلئے ہی پیدا فرمایا تھا اور نظام قدرت میں انہیں اس صدی کا مجدد بنایا۔ یہی وجہ ہے ان کی طبع کو ابتدا ہی سے شریعت کے پیکر میں ڈھالا گیا۔ اس بات کا ان کو بہت پہلے ہی سے شعور حاصل تھا۔ اسلئے آپ کم سنی میں ہی اچھے اور برے میں تمیز کرنے لگے تھے۔ کم سنی ہی سے آپ کا ہر قول، عمل، جلال وسکون دوسروں کی طرح نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو ابتداء سے ہی تائید غیبی حاصل تھی۔

اس عطائے ربی کی وجہ سے آپ نے پوری زندگی دین متین کی خدمت میں ہی گزار دی تھی اور ربّ العزت بھی آپ کی ہر قدم پر مدد فرماتا رہا۔ دینی خدمات میں انہماک جو کہ آپ کو ابتداء سے حاصل تھا ہر شخص بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ یہی آپکا مقصدِ حیات ہے اور تائید غیبی سے لوگوں کو یقین ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ سے یہی کام لینا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی فراہم فرما دیئے تھے۔ جاگیر موجود تھی۔ جس کی آمدن سے آپ اپنے اور اپنے خاندان کی کفالت کے سلسلہ میں کلی طور پر مطمئن تھے۔ چونکہ آپ بھائیوں میں سے سب سے بڑے تھے۔ اس لئے خاندان کا ہر فرد آپ کا احترام کرتا تھا۔ میں تو یہی کہوں گا کہ آپ کا ادب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جاتا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی کام بغیر مشیت الٰہی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کے صاحبزدگان، مخلص احباب اور مریدین نے آپ کا خوب ساتھ نبھایا جبکہ قدرت کاملہ نے آپ کو عمدہ ترین ذہن، اعلیٰ حافظہ، مضبوط دل و دماغ، روشن ضمیری حواس، ظاہری و باطنی ایسے عطا فرمائے جو عام انسانوں کے قویٰ سے بہت بالا تھے اور جرأت و دلیری بھی آپ کے خون میں ایسی تھی کیونکہ آپ پٹھان تھے اور آپ کے آباؤ اجداد تلوار کے دھنی تھے۔

آپ ابتدا ہی سے غیور تھے یہ اوصاف حمیدہ اسی لئے قدرت کاملہ نے آپکو عطا فرمائے کہ آپ سے فرائض مجددیت کی تکمیل چاہیئے تھی۔ جس میں خوف و جھجک کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت نے فرائض مجددیت کو اس عمدگی سے انجام دیا کہ اللہ عزّ وجل اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کر لیا۔ آپ کی وجہ سے بے شمار سنتوں کا احیا ہوا، بدعتوں کو مٹایا، فتنوں کا سد باب اور فتنہ پردازوں کو تاقیامت بے نقاب کر دیا۔

آپ کی دینی خدمات تو اپنی جگہ مسلم ہیں۔ مگر علمی مشاغل کا یہ عالم تھا کہ مشرق و مغرب کے تمام تر مروجہ و غیر مروجہ علوم بھی آپ کی دسترس میں تھے۔ اردو، فارسی اور عربی میں ان علوم پر مبنی آپ کی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی دینی و علمی خدمت کی کثرت کی وجہ سے ربِّ کریم نے آپ کو اس قدر نوازا کہ ایک زمانہ آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے اکثر علماء کرام بھی آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ جس کا ثبوت انہوں نے اعلیٰ حضرت کی کتاب حُسَامُ الْحَرَمَین کی تقاریظ میں تحریر کیا ہے۔ ان تقاریظ میں ان علمائے گرامی نے آپ کے بڑے بڑے مناسب جلیلہ تحریر فرمائے ہیں۔ ان تقاریظ کو دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے علمائے دین نے بحکم الٰہی آپ کی عزّت افزائی فرمائی۔ کیونکہ نہ تو اس سے پہلے اور نہ ہی بعد میں کسی اور عالم دین کو یہ عزت و تکریم حاصل ہوئی۔ بڑے سے بڑا عالم دین بھی ان علمائے دین کے سامنے طفل مکتب بنا نظر آتا ہے کیونکہ عربی زبان پر ان کی دسترس حاصل ہے وہ کسی غیر عربی کو تو حاصل نہیں ہو سکتی۔ مگر انہی اہل زبان میں جب ایک عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہنچتا ہے تو ان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تعظیم کرنا لازم ہے۔

اعلیٰ حضرت کی اس قدر شان اور اس قدر تکریم دیکھ کر بعض حاسدین نازیبا الزامات پر اتر آئے مگر آپ کی شان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالیشان ہے کہ

ترجمہ : اور اللہ ہی عزت دینے والا اور ذِلّت دینے والا ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت اس قدر عزت افزائی پر اللہ کریم کا شکر ادا کرتے رہے اور حاسدین اپنے ہی حسد کی آگ میں جلتے رہے۔ ایک انسان کا اس قدر عروج اس کو بے انتہا محسوس خلائق بنا دیتا ہے۔ اس سے حاسد دنیا بے انتہا حسد محسوس کرنے لگتی ہے اس محسوس خلائق میں اگر کوئی برائی نہیں ملتی تو خبیث خلائق اس کیلئے دل سے عیوب تراشنے لگتی ہے اور اپنی اس گندگی کو خوب اُچھالتی ہیں بالکل یہی اعلیٰ حضرت کے ساتھ بھی ہوا اور اب تلک ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ یہ تو دُنیا کا روزمرہ ہے کہ کسی نان شبینہ کے محتاج کو اگر دو وقت کی روٹی ملنے لگے تو لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔
اعلیٰ حضرت کو جو عظیم ترین دولت دین و دنیا بہ صدقہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربّ العزت عزّ وجل نے عطا فرمائی، وہ علوم کی کثرت اور بے حد وحساب عزت وقار اور بہت ہی زیادہ دینی خدمات کی فراواں دولت تھی۔ اسی سے لازمی طور پر حسد کے بلند شعلے بھڑکنا ہی تھے اور وہ بھڑک اُٹھے اور منظر عام پر آگئے۔ اسی طرح آئندہ بھی بھڑکتے نظر آتے رہیں گے۔ اس لئے کہ جب تک دین باقی ہے آپ کی دینی خدمات کو دنیا کسی طرح فراموش نہیں کرسکتی اور جب آپ کی عظمت کی بات ہوگی تو حاسد بے قابو ہو کر آپ کے خلاف دریدہ دہنی کا ثبوت تو دیں گے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا کہ ؎

حاسد، حسد کی آگ میں یونہی جلا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اولاد امجاد

فاضل بریلوی کے یہاں دو صاحب زادے اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص ۱۸) دونوں صاحبزادگان اپنے وقت کے عالم جلیل ہوئے۔ بڑے صاحبزادے مولانا رضا خاں ماہ ربیع الاوّل 1292ھ 1875ء میں بریلی پیدا ہوئے۔ محمد نام اور عرف حامد رضا تجویز کیا گیا۔ کتب معقول و منقول والد ماجد سے پڑھیں۔ 19 سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ عربی ادب پر بڑا عبور حاصل تھا چنانچہ رسالہ الاجازۃ المتینہ کا عربی مقدمہ اس حقیقت پر شاہد ہے اس کے علاوہ رسالہ الدولۃ المکیہ اور الفیوضاۃ المکیہ کا کامیاب اردو ترجمہ کیا ہے۔ 70 برس کی طویل عمر پائی، 23 سال والد ماجد کے جانشین رہے برسہا برس دارالعوم منظر اسلام میں درس حدیث دیا، علم و فضل میں اپنے والد ماجد کا آئینہ تھے فاضل بریلوی آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا...... حامد منی انا من حامد۔

مولانا حامد رضا خان صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ مسئلہ ختم نبوت پر رسالہ الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، مسئلہ اذان پر سدالفرار طبع ہو چکے ہیں رسالہ ملا جلال کا حاشیہ قلمی صورت میں محفوظ ہے، نعتیہ دیوان اور مجموعہ فتاویٰ حال ہی میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا حامد رضا خاں نے 17 جمادی الاوّل 1362ھ 1942ء کو عین حالت نماز میں وصال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

دوسرے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں 22 ذی الحجہ 1310ھ 1892ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا نام محمد رکھا گیا اور عرفی نام مصطفیٰ رضا تجویز کیا گیا۔ ابتداء میں برادر بزرگ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مولانا شاہ رحیم الٰہی منگوری سے خاص طور پر مستفید ہوئے۔ (محمود احمد قادری تذکرہ علماء اہلسنّت مطبوعہ اسلام آباد۔ بھوانی پور (مظفر پور) ص ۲۲۳)

اس کے بعد والد ماجد سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔

مولانا مصطفیٰ رضا خاں نے اشاعت و تبلیغ اسلام اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ 1343ھ 1924ء میں شردھانند کی فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا اور تبلیغی مشن میں مقیم رہے۔ 1366ھ 1946ء میں تحریک پاکستان کی حمایت کے سلسلے میں آل انڈیا سنّی کانفرنس (جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ) کے اجلاس میں شریک ہوئے اور اسلامی حکومت کے لائحہ عمل کی تشکیل کیلئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس کے ایک اہم رکن تھے۔ (غلام معین الدین نعیمی: حیات صدر الافاضل، مطبوعہ، لاہور، ص ۱۸۰۔۱۹۰)

مولانا مصطفیٰ رضا خاں بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور بریلی میں بیعت و ارشاد اور فتویٰ نویسی کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔الفتاوی المصطفویہ آپ کی علمی یادگار ہے۔

فاضل بریلی کے بے شمار خلفاء تھے جو پاک و ہند اور حرمین شریفین میں پھیلے ہوئے تھے۔الاجازات المتینہ کے مطالعہ سے حرمین شریفین میں آپ کے خلفاء کی تعداد کا ایک سرسری اندازہ ہوتا ہے۔فاضل بریلوی نے سات مختلف سندیں تحریر فرمائیں جو صاحب اجازت کے نام اور مرتبے کے لحاظ سے معمولی ترمیم واضافہ کے ساتھ عنایت کی گئیں۔

(الف) پہلی سند شیخ محمد عبدالحیٔ بن الشیخ الکبیر السید عبدالکبیر الکتانی الحسنی کو عنایت فرمائی۔

(ب) دوسری سند شیخ اسماعیل خلیل کیلئے مرحمت فرمائی۔پھر معمولی ترمیم واضافے کے ساتھ ان حضرات کو مرحمت فرمائی۔

(۲) شیخ مصطفیٰ خلیل (۳) شیخ امون البری المدنی (۴) شیخ اسعد الدھان (۵) شیخ عبدالرحمان (۶) شیخ عبد بن حسین مفتی مالکیہ (۷) شیخ علی بن حسین (۸) شیخ جمال بن محمد الامیر (۹) شیخ عبداللہ بن ابی الخیر (۱۰) شیخ عبداللہ دحلان (۱۱) شیخ بکر رفیع (۱۲) شیخ ابی حسین مرزوقی (۱۳) شیخ حسن العجمی (۱۴) شیخ الدلائل سید محمد سعید (۱۵) شیخ عمر المحروسی (۱۶) شیخ عومر بن حمدان۔

(ج) تیسری سند شیخ احمد خضراوی المکی کو عنایت فرمائی۔

(د) چوتھی سند ضروری ترامیم واضافے کے ساتھ ان حضرات کو عنایت فرمائیں۔

(۱۸) شیخ ابوالحسن المرزوقی (۱۹) شیخ حسین المالکی (۲۰) شیخ علی بن حسنین (۲۱) شیخ محمد جمال (۲۲) شیخ صالح کمال (۲۳) شیخ عبداللہ میرداد (۲۴) شیخ احمد ابی الخیر میرداد (۲۵) سید عالم بن عیدروس (۲۶) سید علوی بن حسن (۲۷) سید ابوبکر بن سالم (۲۸) شیخ محمد بن عثمان دحلان (۲۹) شیخ محمد یوسف۔

(ھ) پانچویں سند (۳۰) شیخ عبدالقادر کو عنایت فرمائی۔

(و) چھٹی سند (۳۱) محمد بن سید ابی بکر الرشید کو مرحمت فرمائی۔

(ز) ساتویں سند (۳۲) شیخ محمد سعید بن سید محمد المغربی کو عنایت فرمائی۔

یہ وہ علماء حرمین ہیں جن کو تحریری اجازت نامے عنایت فرمائے بہت سے حضرات کو زبانی اجازت مرحمت فرمائی کہ انکی تعداد کا علم نہیں۔

حرمین شریفین کے علاوہ پاک و ہند میں بھی فاضل بریلی کے بکثرت خلفاء ہیں جن حضرات کے اسمائے گرامی معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:۔

(۱) مولانا حامد رضا خاں (۲) مولانا مصطفیٰ رضا خاں (۳) مولانا محمد ظفر الدین بہاری (۴) مولانا سید دیدار علی شاہ (۵) مولانا امجد علی اعظمی (۶) مولانا نعیم الدین مرادآبادی (۷) مولانا احمد اشرفی جیلانی (۸) مولانا احمد مختار صدیقی (۹) مولانا عبدالاحد قادری (۱۰) مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (۱۱) مولانا محمد رحیم بخش آروی (۱۲) مولانا لعل محمد خاں مدارسی (۱۳) مولانا عمر بن ابوبکر (۱۴) مولانا ضیاءالدین احمد مہاجر مدنی (۱۵) مولانا محمد شفیع بیسلپوری (۱۶) مولانا محمد حسنین رضا خاں (۱۷) مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں (۱۸) مولانا امام الدین کوٹلی لوہاراں (۱۹) مولانا مفتی غلام جان ہزاروی (۲۰) مولانا احمد حسین امروہوی (۲۱) مولانا عبدالسلام جبل پوری (۲۲) مولانا برہان الحق محمد عبدالباقی جبل پوری (۲۳) سید فتح علی شاہ۔ (یہاں تک تمام تفصیلات مولانا بدرالدین احمد کی تالیف سوانح اعلیٰ حضرت (ص ۳۰۲ سے ماخوذ ہیں۔)

(۲۴) مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (۲۵) مولانا عمرالدین ہزاروی (۲۶) مولانا شاہ محمد حبیب اللہ قادری (والد ماجد مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری) (۲۷) مولانا میر مومن علی مومن جنیدی (۲۸) پروفیسر سید سلیمان اشرف (۲۹) قاری محمد بشیر الدین جبل پوری۔

فاضل بریلوی کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ بیشتر تلامذہ پاک و ہند میں آفتاب و مہتاب بن کر چمک اور ملک کے طول وعرض میں پھیل کر فاضل بریلوی کے پیغام کو دور دور تک پہنچایا۔ تحریک پاکستان میں بھی آپ کے تلامذہ نے مثبت اور اہم کردار ادا کیا۔ کسی فاضل کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ فاضل بریلوی کے جن تلامذہ کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے، وہ یہ ہیں:۔

(۱) مولانا حسن رضا خاں (۲) مولانا محمد رضا خاں (۳) مولانا حامد رضا خاں (۴) مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی (۵) مولانا محمد جیلانی کچھوچھوی (۶) مولانا ظفر الدین بہاری (۷) مولانا عبدالواحد پیلی بھیتی (۸) مولانا حسنین رضا خاں (۹) مولانا سلطان احمد خاں (۱۰) مولانا سید امیر احمد (۱۱) مولانا حفاظ یقین الدین (۱۲) مولانا حافظ عبدالکریم (۱۳) مولانا سید نور احمد چاٹگامی (۱۴) مولانا منور حسین (۱۵) مولانا واعظ الدین (۱۶) مولانا عبدالرشید عظیم آبادی (۱۷) مولانا شاہ غلام محمد بہاری (۱۸) مولانا حکیم عزیز غوث (۱۹) مولانا نواب مرزا......وغیرہ وغیرہ۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بچپن

مشہور ہے کہ اللہ تبارک کے منتخب بندوں کا بچپن ان کی جوانی ہی کی تصویر ہوا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایام بچپن میں تو موصوف نامناسب کھیل کود میں مصروف رہتے ہوں اور جوانی میں ولایت کا درجہ حاصل کرلیں۔ حالانکہ ایسے واقعات بھی ہمیں اسلامی تاریخ تصوف میں چند ایک ملتے ہیں مگر ان واقعات میں بھی کسی پیدائشی ولی کامل کی نظر کرم ہی کے طفیل ایسا ہوتا ہے۔ وگرنہ عام طور پر اولیائے کرام کا بچپن ہی بتادیتا ہے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے وقت کا ولی کامل ہوگا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا بچپن بھی تقریباً اسی انداز میں گزرا۔ آپ نے کبھی اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ نہ لیا۔ بس اس قدر ضرور تھا کہ محلّہ کے بچے اگر آپ کے گھر کھیلنے چلے آتے تو آپ ان کو کھیلتا کودتا دیکھتے ضرور، کیونکہ آپ کے بہن بھائی بھی ان کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔

بہن بھائی

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ سب سے چھوٹی ہمشیرہ کا انتقال عین جوانی میں ہوگیا۔ آپ کی دو بہنیں بڑی تھیں اور ایک سب سے چھوٹی جبکہ آپ کے دونوں بھائی آپ سے چھوٹے تھے۔ اعلیٰ حضرت کا برتاؤ سب سے کچھ ایسا تھا کہ خاندان کا ہر فرد بلا تخصیص آپ کی تکریم کیا کرتا تھا۔

حضرت نقی علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب تک حیات رہے، اپنے لخت جگر کی ضروریات کا خود ہی خیال فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی خوراک اور لباس کا انتظام واہتمام بھی انہوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ مگر ابھی اعلیٰ حضرت نوجوان ہی تھے کہ والدگرامی وصال فرما گئے۔ جس کی وجہ سے جاگیر کا تمام تر کام آپ کو دیکھنا پڑا۔ یہ ذِمہ داری آپ کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔ چنانچہ فقط دو برس کے بعد ہی اس ذمہ داری کو اپنے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خان صاحب کے سپرد کرکے خود کو دینی امور کیلئے مخصوص کرلیا۔

بات ہو رہی تھی آپکے بچپن کی۔ چونکہ اس زمانے میں بچے پتنگ اڑایا کرتے تھے۔ اسلئے یہ کوئی معیوب بات نہیں خیال کی جاتی تھی مگر اعلیٰ حضرت کو پتنگ بازی کیلئے تو پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اگر کبھی کبھار کوئی پتنگ کٹ کر آپکے گھر میں گر جاتی تو آپ اس کو اٹھا کر اپنے والدگرامی کی چارپائی کے نیچے رکھ دیتے۔ وہ جب سونے کیلئے آتے تو اس پتنگ کے بارے میں دریافت کرتے سن کر بتایا جاتا کہ آپ نے رکھی ہے تو آپ بے ساختہ فرماتے ہیں کہ ہاں بھئی اس کو اللہ تعالیٰ نے لہو ولعب کیلئے تو پیدا ہی نہیں فرمایا ہے۔

بچپن کے چند یادگار واقعات

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی زبان ابتداء ہی سے بڑی صاف ستھری تھی جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ بچے چھوٹی عمر میں الفاظ دُرست تلفظ سے ادا نہیں کر پاتے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ ایسا کچھ نہیں تھا۔ غلط الفاظ آپ کے ذِہن مبارک سے کبھی ادا ہی نہیں ہوئے تھے۔

ایک دن یوں ہوا کہ آپ اپنے استاد صاحب سے کلام اللہ شریف پڑھ رہے تھے۔ استاد صاحب نے ایک جگہ کچھ اعراب بتایا آپ نے استاد کے بتانے کے خلاف پڑھا۔ استاد محترم نے دوبارہ سختی سے کہا کہ جیسا میں کہتا ہوں ویسا پڑھیں مگر آپ نے حسب سابق پڑھا۔ آپ کے والد گرامی قریب ہی تشریف رکھتے تھے۔ ان سے رہا نہ گیا اورانہوں نے آپ سے سپارہ پکڑ کر خود ملاحظہ کیا تو استاد محترم کو درست پایا مگر انکو اپنے ہونہار بیٹے کی صلاحیت بخوبی معلوم تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے انہوں نے کلام اللہ شریف منگوایا تا کہ مکمل طور پر تشفی ہو سکے۔ جب کلام اللہ شریف میں دیکھا گیا تو استاد صاحب بھی حیران رہ گئے کہ جس تلفظ سے اعلیٰ حضرت نے پڑھا تھا کلام شریف میں بالکل ویسے ہی تھا۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ سپارے میں کتابت کی غلطی تھی۔

آپ کے والد گرامی نے بڑے فخر سے اپنے بیٹے پر نظر ڈالی اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے! تمہیں جو تمہارے استاد بتلاتے تھے وہی اعراب تو تمہارے سپارے میں بھی تھے۔ پھر تم نے کیوں ان کے موافق نہیں پڑھا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے عرض کیا: بابا جاں! میں نے بار بار اِرادہ کیا کہ استاد گرامی کے کہنے کے موافق پڑھوں مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔

لائق ترین پسر عزیز کا ایمان افروز سن کر جہاندیدہ اور صاحب نظر پدر بزرگوار آبدیدہ ہو گئے اور انہوں نے اللہ کریم کا شکر ادا کیا آپ جیسا فرزند ارجمند عطا فرمایا۔ انکو صاف نظر آ گیا کہ آج کا نو عمر بچہ یقیناً کل کا مجدد بننے والا ہے۔ یہی حال استاد محترم کا بھی تھا جس کو استاد صاحب ایک چھوٹا سا بچہ سمجھ کر پڑھاتے تھے وہ تو نہایت کم عمری میں ان کا بھی استاد نکلا ان کو بھی بخوبی اندازہ ہوا کہ یہ بچہ کل کسی بلند مرتبہ پر فائز ہوگا۔

ایک اور واقعہ بھی بڑا یادگار ہے۔ ہوا یوں کہ ایک روز صبح سویرے آپ مکتب میں حسب معمول پڑھ رہے تھے کہ ایک آنے والے بچے نے استاد صاحب کو السلام علیکم کہا۔ استاد صاحب نے جواب دیا: جیتے رہو!

یہ تو جواب نہ ہوا استاد محترم! اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ جلدی سے بول اٹھے۔

اچھا! پھر اسکا جواب کیا ہوا' استاد محترم نے خفت چھپاتے ہوئے پوچھا۔ تمام بچے ان دونوں کی طرف پوری طرح متوجہ ہو چکے تھے اور اس بات کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی گستاخی تصوّر کر رہے تھے۔

استاد محترم! اس کا جواب ہے: وعلیکم السلام! اعلیٰ حضرت نے متانت سے جواب دیا۔

واہ میرے بیٹے واہ! تم یقیناً دین کا نام روشن کروگے۔ اللہ تمہیں توفیق و قوت عطا فرمائے۔ استاد صاحب نے بجائے ناراض ہونے کے آپ کو دعاؤں سے نوازا۔

اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی شرعی غلطیوں پر آپ بچپن میں ہی بلا جھجک بول دیا کرتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ شرعی اُردو میں غلطی کی اِصلاح قدرت کاملہ نے آپ کی فطرت ثانیہ بنادی تھی۔ یہی بات میں نے پہلے عرض کی تھی کہ جن لوگوں سے اللہ کریم نے دین کی اصلاح کا کام لینا ہوتا ہے ان کی تربیت ابتداء سے ہی نہایت اعلیٰ درجہ سے کی جاتی ہے۔

آپ کی پرورش ایسے ماحول میں ہو رہی تھی کہ جس میں زیادہ تر وقت دینی مسائل کی بابت گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ آپ کا زیادہ تر وقت اپنے والد گرامی کی صحبت میں گزرتا تھا۔ آپ زیر بحث مسائل کو بڑے غور سے سنتے اور بعض اوقات آپ بول اٹھتے کہ جناب عالی مسئلہ یوں ہے۔

جب آپ کم سن تھے تبھی سے آپ کی یہ عادت شریفہ رہی تھی کہ آپ غیر محرم خواتین سے پردہ کرلیا کرتے تھے۔ اگر گھر میں کبھی اچانک آپ داخل ہوتے اور وہاں غیر محرم خواتین کو بیٹھا دیکھتے تو فوراً اپنے کُرتے سے چہرہ مبارک کو چھپا کر ایک طرف نکل جاتے۔ یہ طرز عمل دیکھ کر آپ کی والدہ محترمہ نہال ہو جاتیں اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتیں۔

بچپن میں پہلا روزہ

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے پہلا روزہ نہایت کم سنی میں رکھا۔ آپ کی روزہ کشائی کی تقریب کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ پورے خاندان اور حلقہ احباب کو آپ کے والد گرامی نے افطار پر مدعو کیا۔ قسم قسم کے طعام تیار کروائے گئے۔ اس میں فرنی بھی تھی۔ جو کو پیالیوں میں ڈال کر ایک کمرے میں ٹھنڈا ہونے کیلئے رکھوا دیا گیا۔

یہ رمضان المبارک سخت گرمی کے موسم میں آئے تھے۔ آپ نے پہلا روزہ بڑے جوش و خروش سے رکھا تھا۔ مگر عین دوپہر میں بھوک اور پیاس نے نڈھال کر کے رکھ دیا۔ کیونکہ یہ فطری بات تھی اور والد گرامی یہ بات بخوبی سمجھتے تھے کہ چھوٹا سا بچہ ہے نجانے کس قدر وقت برداشت کر پائے گا۔ انہی خیالات کے زیر اثر انہوں نے زیادہ تر وقت آپ کے مشاہدے میں ہی گزارا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اب بچے میں برداشت ختم ہوتی جا رہی ہے تو آپ کو لیکر اس کمرے میں چلے گئے جہاں فرنی کے پیالے رکھے ہوئے تھے۔ اندر سے کواڑ بند کر کے ایک ٹھنڈا پیالہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو دیا اور فرمایا کہ لو میاں! یہ کھاؤ۔

مگر بابا جان! میرا تو روزہ ہے۔ ننھے احمد رضا خان نے بڑی حیرت سے عرض کیا۔

ہاں ہاں! مجھے معلوم ہے مگر بچوں کے روزے تو یونہی ہوا کرتے ہے۔ جلدی سے کھالو، اس وقت نہ تو کوئی دیکھ رہا ہے نہ کوئی آسکتا ہے۔ والد گرامی نے شفقت پدری سے مجبور ہو کر کہا۔

بابا جان! جس کا روزہ ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے دانشمندانہ انداز میں فرمایا۔

معصوم بچے کی عالمانہ بات سن کر صاحبِ نظر باپ کو یقین ہو گیا کہ میرا یہ بیٹا اس عہد کو تا حیات فراموش نہیں کرے گا۔ جس کو بھوک پیاس کی شدّت میں کمزوری اور کم سنی میں ہر فرض کی فرضیت سے پہلے عہد وفا کی فرضیت کا اس قدر لحاظ و پاس ہے۔

مولانا حسنین رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ روزے کی قضا کے بارے میں نہ ان کے کسی بڑے کی زبانی سنا، نہ کسی برابر والے نے بتلایا نہ ہم چھوٹوں نے کبھی ان کو ماہ مبارک کا کوئی روزہ قضا کرتے دیکھا۔ بعض مرتبہ ماہ مبارک میں علیل بھی ہو جاتے مگر اعلیٰ حضرت نے کبھی روزہ نہیں چھوڑا تھا۔ اگر کسی نے اس پر اصرار بھی کیا کہ اس حالت میں روزے سے نقاہت اور بڑھے گی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مریض ہوں تو علاج نہ کروں۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ جناب کیا روزہ بھی علاج ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! اکسیر علاج ہے۔ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا اکسیر علاج ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔

لازمی بات ہے کہ جب بچپن میں روزہ کا حد درجہ پاس تھا تو عالم شباب اور عالم پیری میں کیا عالم ہوگا۔ جبکہ آپ کو ہر چیز کی خبر ہو چکی تھی اور آپ عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بلند تر مقام پر فائز ہو چکے تھے۔

شدید بیماری میں نماز کی پابندی

مولانا حسنین رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا ایک سال پاؤں کا انگوٹھا پک گیا۔ ان کے خاص جراح مولانا بخش تھے۔ ان کو بعض سول سرجن بھی خطرناک آپریشن میں شریک کیا کرتے تھے ۔ انہوں نے آپ کے انگوٹھے کا آپریشن کیا۔ پٹی باندھنے کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ حضور اگر حرکت نہ کریں گے تو یہ زخم دس بارہ روز میں خشک ہو جائے گا ورنہ زیادہ وقت لگے گا۔ وہ تو یہ کہہ کر چلے گئے مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ مسجد کی حاضری اور نماز باجماعت کی پابندی ترک کردی جائے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو آپ نے وضو کیا۔ چونکہ کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا چنانچہ بیٹھے بیٹھے ہی کسی نہ کسی طرح پھاٹک تک آ گئے۔ لوگوں نے جو دیکھا تو جلدی سے ایک کرسی پر بٹھا کر مسجد میں پہنچا دیا۔

اسی وقت اہل خاندان اور اہل محلہ نے یہ طے کیا کہ علاوہ مغرب کے ہر اذان کے بعد ہم سب میں سے چار مضبوط آدمی کرسی لے کر زنانہ میں حاضر ہو جایا کریں گے اور پلنگ ہی پر سے کرسی پر بٹھا کر مسجد کی محراب کے قریب بٹھا دیا کریں گے اور مغرب کی نماز کے وقت اذان سے کچھ دیر پہلے حاضر ہو جایا کریں گے۔

یہ سلسلہ ایک ماہ بڑی باقاعدگی سے چلا اور پھر جب آپ بالکل تندرست ہو گئے اور خود چلنے کے قابل ہو گئے تو اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ کرسی اٹھانے والے چار آدمیوں کے ساتھ میں بھی التزام کے ساتھ حاضر ہوا کرتا تھا۔ اس عمل کو میں اپنی بخشش کا بڑا اچھا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ نماز تو نماز ہے ان کی جماعت کا ترک کر دینا بھی بلا عذر شرعی شاید کسی صاحب کو یاد نہ ہوگا۔

ان کے ہم عمروں سے اور ان کے بعض بڑوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سن شعور سے نماز باجماعت کے سخت پابند تھے۔ گویا قبل بلوغ ہی وہ اصحاب ترتیب کے ذیل میں داخل ہو چکے تھے اور وفات تک صاحب ترتیب ہی رہے اور جمعۃ الوفات ہی ایسا جمعہ ہوا جس کو مسجد میں ادا نہ کر سکے۔ جمعہ کا وقت وصال پورا نہ گزر پایا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔

اعلیٰ حضرت کے معمولات میں بچپن ہی سے ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں جن سے ان کی اسلامی زندگی صاف جھلکتی ہے۔ جو آگے چل کر مزید نکھر گئی اور ان کا مظاہرہ اہل اسلام نے خوب خوب کیا۔ کیا عرب اور کیا ہندوستان آپ کی پاک وصاف زندگی گویا ایک مثال لازوال بن گئی۔

حصول تعلیم

اعلیٰ حضرت نے اپنی ابتدائی تعلیم کی ابتداء کلام اللہ شریف اور اُردو سے کی۔اس کے بعد اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم جناب مولانا غلام قادر بیگ صاحب سے حاصل کی۔بیگ صاحب بڑے متقی اور پرہیزگار شخص تھے اور اعلیٰ حضرت کے والد گرامی کے قریبی دوست بھی۔اعلیٰ حضرت جب ابتدائی درسی کتب پڑھ کر فارغ ہوئے تو والد گرامی نے انکی تعلیم کی ذِمہ داری خود لے لی۔

اعلیٰ حضرت کو آپ کے والد گرامی نے کوئی بھی درسی کتاب پوری نہ پڑھائی۔جب وہ دیکھتے کہ آپ مصنف کتاب کی طرز تحریر سے خوب واقف ہو گئے ہیں اور اپنا سبق سارے کا سارا دورانِ مطالعہ ہی نکال لیتے ہیں تو اس کتاب میں اگر کچھ مشہور مشکل مقامات ہوتے تو ان پر عبور کرا دیتے یا اور دوسری کتاب شروع کروا دیتے۔شاید ہی کوئی کتاب پوری پڑھنا پڑی ہو۔اس طرح وہ نہایت قلیل مدّت میں تمام درسی علوم کے سمندروں کو عبور کر گئے۔

اس قابلیت کو دیکھتے ہوئے فقط چودہ برس کی عمر میں ہی آپ کے والد گرامی نے آپ کو دستار فضیلت سے سرفراز کر کے فتویٰ نویسی کی ذمہ داری سونپ دی اور خود ان فرائض سے سبکدوش ہو گئے۔ورنہ شاید ہی آپ کے فتاویٰ اور رسائل کا اتنا بڑا ذخیرہ دنیا کے سامنے موجود ہوتا۔

آپ کی دورانِ تعلیم ایک عجیب واقعہ پیش آیا، مولانا حسنین رضا خان صاحب فرماتے ہیں۔
ان کے دور میں چھاپے خانے نہ تھے۔ لہٰذا اکثر درسی کتابیں قلمی، معرا پڑھی جاتی تھیں۔ وہ مسلم الثبوت پڑھ رہے تھے اور زیادہ رات تک مطالعہ کرتے تھے۔ جس مقام پر ان کا سبق ہونے والا تھا وہاں ان کے والد گرامی نے کتاب کے مصنف مولانا محب اللہ صاحب پر ایک اعتراض کتاب کے حاشیہ پر لکھ دی تھا۔
جب اعلیٰ حضرت کی نظر اس اعتراض پر پڑی تو آپ کی بانکی طبیعت میں یہ بات آئی کہ مصنف کی عبارت کو حل ہی اسطرح کیا جائے کہ اعتراض وارد ہی نہ ہو۔ آپ اس مسئلہ کے حل کیلئے رات ایک بجے تک سوچتے رہے۔ آخر تائید غیبی سے وہ حل سمجھ میں آگیا۔
آپکو انتہائی مسرت ہوئی اور وفور مسرت میں بے اختیار آپکے ہاتھوں سے تالی بج گئی۔ اس سے سارا گھر جاگ گیا اور کیا ہے کیا ہے کا شور مچ گیا (لازمی بات ہے کہ ہر وقت گم سم رہنے اور کم گو شرمیلے بچے کا ایک دم رات کے وقت تالیاں بجانا تمام گھر والوں کو چونکا دینے کیلئے کافی تھی) آپ نے اپنے والد گرامی کو کتاب کی عبارت اور اس کا عام مطلب اور اس عبارت پر ان کا اعتراض سنانے کے بعد اپنی طرف سے اس عبارت کی ایسی تقریر کی کہ وہ اعتراض ہی نہ بن پڑا۔
اس پر والد گرامی نے اپنے لائق فرزند کو گلے سے لگالیا اور فرمایا کہ امن میاں تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھے پڑھاتے ہو۔
اعلیٰ حضرت کے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خان صاحب بڑے زبردست عالم، مفتی اور مصنف تھے۔ آپکا شمار ملک ہندوستان کے گنے چنے علماء کرام میں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ باپ کی خصوصی توجہ سے اعلیٰ حضرت نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اسی دوران آپ اپنے پھوپھا شیخ فضل حسین کی دعوت پر رام پور گئے جہاں دوران قیام آپ نے حصول تعلیم کا کوئی ذریعہ ضائع نہ کیا۔
رام پور میں نواب کلب علی خاں کی ایما پر شرح چغمنی کے کچھ اسباق مولانا عبد العلی سے پڑھے۔ مولانا عبد العلی بھی بہت صاحب علم شخصیت تھے۔ ان کا شمار ریاضی کے عظیم ترین اساتذہ کرام میں ہوتا تھا۔ اس رام پور میں اعلیٰ حضرت چونکہ اپنے پھوپھا شیخ فضل حسین صاحب کی دعوت پر گئے تھے اس لئے انہوں نے آپ کا تعارف الحاج نواب کلب علی خاں صاحب سے کروایا۔
شیخ فضل حسین صاحب رام پور افسر اعلیٰ تھے اور نواب صاحب کے خاص مقربین میں شامل تھے۔
اعلیٰ حضرت ابھی رام پور نہیں وارد ہوئے تھے کہ شیخ صاحب نے آپ کا غائبانہ تعارف نواب صاحب سے کروادیا تھا۔
نواب صاحب بھی اس نوعمر کو دیکھنے کے مشتاق تھے کہ جو بہت کم سنی میں ہی بہت سے علوم میں مہارت اختیار کر چکا تھا۔
جب اعلیٰ حضرت رام پور گئے تو شیخ صاحب نے سے پہلے آپ کو نواب صاحب سے ہی ملوایا۔ نواب صاحب ایک جہاندیدہ شخصیت تھے، آپکو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ اس بچے کی شہرت خواہ مخواہ نہیں بلکہ بہت ہی کم ہے۔ اس کو تو بہت زیادہ مشہور ہونا چاہیے۔

نواب کلب علی خاں نے شیخ صاحب سے کہا کہ اس بچے کو مزید نکھارنے کیلئے معروف ریاضی دان مولانا عبدالعلی اور مولانا عبدالحق خیرآبادی سے تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ مولانا عبدالعلی تو معروف ریاضی دان ہیں مولانا عبدالحق صاحب فلسفہ منطق، اصول اور کلام میں مشہور و معروف تھے۔ مگر ابھی مولانا عبدالعلی صاحب سے چند اسباق پڑھے تھے کہ والد مکرم کا بلاوا آن پہنچا اور آپ نے ایک مرتبہ پھر والد ماجد سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ دنیا حیران و ششدر ہے کہ فقط تیرہ برس کی عمر سعید میں آپ نے تمام علوم پر دسترس حاصل کر لی اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ تیرہ، چودہ برس کے نوعمر احمد رضا نے معروف عالم دین حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب کی مسند سنبھالی۔

آپ فتویٰ نویسی کا دشوار گزار کام حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی سرانجام دیتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت مولانا نقی علی خان صاحب بریلی اور دیگر اضلاع روہیل کھنڈ میں مرجع فتاویٰ تھے۔ پہلے پہل تو یوں ہوا کہ جو فتوے اعلیٰ حضرت کے پاس آتے آپ ان کا جواب لکھ کر والد گرامی کو دکھاتے ان کو دیکھ کر والد بزرگوار بے حد خوش ہوتے۔ ان کو یہ بھی حیرت انگیز خوشی ہوتی کہ آپکے جوابات میں اِصلاح کی گنجائش ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح روز بروز گردونواح میں اب حضرت نقی علی خان کے خلف الرشید کی دھوم مچ گئی۔ جس عمر میں بچوں کو نماز بھی درست طریقے سے ادا کرنا نہیں آتی اس عمر میں اعلیٰ حضرت فتویٰ نویسی فرما رہے تھے۔ کیا عالم اسلام میں اس جیسی اور بھی کوئی مثال ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کو دستار فضیلت 14 شعبان المعظم 1286ھ عطا ہوئی۔ پہلے ہی روز آپ کے پاس ایک مشکل مسئلہ پیش کیا گیا۔ سوال یہ تھا کہ اگر عورت کا دودھ ناک کے ذریعہ بچے کے حلق میں چڑھ گیا تو رضاعت ثابت ہوگئی یا نہیں؟

آپ نے جواب میں فتویٰ تحریر فرمایا کہ...... منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے پیٹ میں پہنچے گا حرمت رضاعت لائے گا۔ والد ماجد نے یہ جواب پڑھا تو اتنی درخشندہ قسمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک مسئلہ میں باپ بیٹا میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ فقیر کے خیال میں یہاں اختلاف رائے باپ اور بیٹے کے درمیان نہیں ہوا، بلکہ دو علمائے دین میں ہوا۔ کیونکہ مسئلہ اسلام سے متعلق تھا اور جواب یا فتویٰ بھی دین سے ہی متعلق تھا۔ یہ کوئی گھریلو مسئلہ تو نہ تھا کہ ہم کہیں کہ باپ بیٹا میں اختلاف ہو؟

بات جب خاصی طویل ہوگئی تو حضرت نقی علی خان صاحب نے تجویز پیش کی کہ اس مسئلہ کا ایک فتویٰ میں لکھتا ہوں اور ایک فتویٰ تم لکھو، پھر ان دونوں کی تصدیق کیلئے علمائے رام پور کے سامنے پیش کر دیں گے۔ ان کا فیصلہ ہم تم دونوں کو منظور ہوگا۔ چنانچہ دونوں علمائے دین نے فتوے لکھے۔ اللہ اللہ کیا شان ہے کہ باپ بیٹا کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کر رہے۔

دونوں کے فتویٰ رام پور میں ایک صاحب کا نام سعادت تھا، لیکر شیخ فضل حسین صاحب کے پاس پہنچا اور تمام واقعہ سے آگاہ کیا۔

شیخ صاحب اس واقعہ کو سن کر پہلے تو گھبرائے، کیونکہ یہ کوئی معمولی واقعہ تو نہ تھا جب علمائے کرام کے سامنے دونوں فتویٰ پہنچے تو طرح طرح کی باتیں بھی ہونا تھیں۔

بہر حال شیخ صاحب نے نواب کلب علی خان صاحب سے ذکر کیا اور دونوں کے فتوؤں کو جید علمائے کرام کے پاس با اعتبار شخص کے ذریعہ بھیجا اور تصدیقات کی درخواست بھی کی۔ یہ دونوں فتوے جب تمام علمائے کرام نے دیکھ لئے اور تصدیقات رقم ہو گئیں تو ان کو سعادت صاحب کے ہاتھ واپس بریلی شریف بھیج دیا گیا۔

بریلی میں بھی ان کا شدت سے انتظار تھا۔ مگر جب دونوں فتوے بریلی واپس پہنچے تو لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ فقط دو علمائے رام پور نے حضرت مولانا نقی علی خان کے فتویٰ پر تصدیق ثبت کی تھی باقی تمام نے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ پر تصدیق کی تھی۔

اس کے پیش نظر مولانا نقی علی خان صاحب نے پسر ذیشان کو گلے لگالیا اور اپنی رائے سے رجوع کیا۔ اس دن کے بعد اعلیٰ حضرت کی ذات والد گرامی کی نظر میں فقط ایک بیٹے کی نہ رہی بلکہ اب انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کو اعلیٰ پایہ کا عالم دین تسلیم کرلیا اور آپ کے ساتھ اکثر عالمانہ بحث بھی فرمایا کرتے۔

سید ایوب علی رضوی تحریر فرماتے ہیں کہ

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ شدید علیل ہو گئے۔ طبیبوں نے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا اور ہر طرح کے کام کاج سے منع کر دیا۔ آپ نے ان سے وعدہ فرمالیا۔ لیکن جب کوئی فتویٰ آتا تو آپ تلامذی سے فرماتے کہ فلاں الماری میں فلاں کتاب کے فلاں صفحہ کی فلاں سطر سے فلاں سطر تک اس کا جواب موجود ہے۔ اس کو نقل کر دو۔

یعنی جس کام کو والد گرامی نے بچپن میں آپ کے ذمہ لگایا تھا آپ نے اس کو اپنی صحت سے افضل کبھی نہ جانا۔ تندرستی اور بیماری کو کبھی اس بیچ مسئلہ نہ بنایا۔

ایک امریکی پروفیسر کی پیشن گوئی اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابطال

ایک مرتبہ امریکن پروفیسر البرٹ ایک پورٹا نے ایک ہولناک پیشن گوئی کی تھی جو انگریزی اخبارات میں چھپی، اخبارات نے اسے مزید اچھالا کہ اس امریکی نجومی کی اب تک کی گئی تمام پیشن گوئیاں سو فیصد دُرست ثابت ہوئی ہیں۔ چنانچہ لوگوں میں ایک طرح کا خوف و ہراس پیدا ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت کو بے تحاشا لوگوں نے اس پیشن گوئی کے بارے میں خطوط ارسال کئے۔ مگر انہوں نے اس پیشن گوئی کی مصدقہ نقول فراہم نہ کیں اور نہ ہی اصل پیشن گوئی کسی صاحب نے پیش کی۔

چونکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ محض افواہوں پر یقین نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنی تحقیقات کی ابتدا معقول سند کی بنا پر رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر الدین صاحب جو کہ پٹنہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے یہ کام مکمل کیا کہ اپنی عرضداشت کے ساتھ اس انگریزی اخبار کا تراشہ بھی خط میں ارسال کردیا۔ انہیں یقین تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاں جواب کیلئے کوئی شخص طویل انتظار نہیں کرتا کیونکہ سب دیکھ چکے تھے کہ ہر علم وفن رموز و نکات اعلیٰ حضرت قبلہ کی نوک زباں پر ہیں۔ حالانکہ یقین تو سبھی کو تھا کہ اعلیٰ حضرت اس پیشن گوئی کی پوری حقیقت کو طشت از بام کردیں گے مگر کسی نے بھی اصل خبر یعنی پیشن گوئی آپ کی خدمت میں ارسال نہ کی تھی۔ یہ سعادت حضرت مولانا ظفر الدین صاحب کے حصے میں آئی۔

دارالافتاء میں مولانا ظفر الدین صاحب نے بانکی پور کے انگریزی اخبار ایکسپریس کے دوسرے ورق کا پہلا کالم کاٹ کر بغرض ملاحظہ واستصواب حاضر کیا۔ جس میں امریکی منجم پروفیسر البرٹ کی ہولناک پیشن گوئی درج تھی۔ اعلیٰ حضرت نے دو طرح سے اس پیش گوئی کا ابطال کیا۔ اوّل شرعی دلائل سے اور پھر فنی اصول سے اس انگریزی خبر کے مفصل ترجمہ کی ذمہ داری جناب نواب وزیر احمد خاں اور جناب سید اشتیاق علی صاحب خان صاحب رضوی کے سپرد کی گئی جو کہ انگریزی کے ماہرین تصور کئے جاتے تھے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

17 دسمبر کو عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل، نیچون، چھ سیارے جن کی طاقت سب سے زائد ہے قران میں ہوں گے۔ آفتاب ایک طرف 26 درجے کے تنگ فاصلے میں جمع ہوکر اسے بقوت کھینچیں گے اور وہ ان کے ٹھیک مقابلے میں ہوگا اور مقابلے میں آتا جائے گا۔ ایک بڑا کوکب یورنیس بھی ہوگا۔ سیاروں کا ایسا اجتماع تاریخ ہیئت میں نہ جانا گیا۔ یورنیس دوران چھ میں مقناطیسی لہر آفتاب میں بڑے بھالے کی مانند سوراخ کرے گی۔ ان بڑے چھ سیاروں کے اجتماع سے جو بیس صدیوں سے نہ دیکھا گیا تھا ممالک متحدہ دسمبر میں بڑے خوفناک طوفان آب سے صاف کردیا جائے گا۔ یہ داغ 17 دسمبر کو دیکھا جائے گا جو بے آلات محض آنکھوں سے نظر آئے گا۔ جب سے انسانی تاریخ جاری ہوئی ہے نہ ہوا ہوگا اور وسیع زخم آفتاب کے ایک جانب میں ہوگا۔ یہ داغ شمس کرۂ ہوا میں تنزل ڈالے گا۔ طوفان، بجلیاں اور بارشیں اور بڑے زلزلے ہوں گے جبکہ ان کی وجہ سے زمین ہفتوں بعد اعتدال میں آئے گی۔

جواب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

یہ سب اوہام باطلہ ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی طرف اصلاً التفات جائز نہیں۔

☆ منجم نے ان کی بنا کواکب کے طول وسطی پر رکھی ہے۔ جسے ہیئات جدیدہ میں طول بغرض مرکزیت شمس کہتے ہیں۔ اس میں وہ چھ کواکب باہم 26 درجہ 6 دقیقے کے فصل میں ہوں گے۔ مگر یہ فرض باطل قرآن کریم کے ارشاد سے مردود ہے۔ نہ شمس مرکز ہے نہ کواکب اس کے گرد متحرک بلکہ زمین کا مرکز ثقل مرکز عالم اور سب کواکب امور فود شمس اس کے گرد دائر۔

اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے کہ

والشمس والقمر بحسبان

سورج اور چاند کی چال حساب سے ہے۔

اور فرماتا ہے کہ

والشمس تجری لمستقرلها ذلك تقدير العزيز العليم

سورج چلتا ہے ایک ٹھہراؤ کیلئے پھر سادھا ہوا زبردست علم والے کا ہے۔

اور فرماتا ہے کہ

كل فی فلك يسجون

چاند اور سورج سب ایک گھیرے میں پھر رہے ہیں۔

اور فرماتا ہے کہ

وسخر لکم الشمس والقمر ائبين

تمہارے لئے چاند اور سورج مسخر کئے کہ دونوں باقاعدہ چل رہے ہیں۔

اور فرماتا ہے کہ

وسخر الشمس والقمر كل تجری لا جل

اللہ نے مسخر فرمائے چاند اور سورج ہر ایک ٹھہرائے وقت چل رہا ہے۔

بعینہ اسی طرح سورۂ لقمان، سورۂ ملائکہ اور سورۂ زمر میں فرمایا اس پر جو جاہلانہ اختراع پیش کرے۔ اس کے جواب کو آئمہ کریمہ میں تعلیم کردی۔

الا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير کیا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے پاک خبردار۔

تو پیشن گوئی سرے سے مبنی بر باطل۔

یہ جسے طویل بغرض مرکز شمس کہتے ہیں۔ حقیقۃً کواکب کے اوساط معدلہ تبدیل لعل میں جیسا کہ واقع علم زیجات پر ظاہر ہے اور اوساط کواکب کے حقیقی مقامات نہیں ہوتے بلکہ فرضی اور اعتبار حقیقی کا ہے۔ 17 دسمبر کواکب کے حقیقی مقامات یہ ہوں گے۔

تقویم

کواکب	بروج	درجہ	دقیقہ
نیپچون	اسد	11	15
مشتری	اسد	17	54
زحل	سنبلہ	11	39
مریخ	میزان	9	10
زہرہ	عقرب	9	19
عطارد	قوس	3	30
شمس	قوس	24	30
یورنیس	دلو	28	26

ظاہر ہے کہ ان چھ کا باہمی فاصلہ نہ 26 درجہ میں محدود بلکہ 112 اور 112 درجہ تک محدود، یہ تقویم اس دن تمام ہندوستان میں ریلوے کے وقت سے ساڑھے پانچ بجے شام اور نیویارک ممالک متحدہ امریکہ میں 7 بجے صبح اور لندن میں دوپہر کے 12 بجے ہونگے۔ یہ فاصلہ ان کی تقویمات کا ہے۔ باہمی لع اس سے قلیل مختلف ہوگا کہ عرض کی قوسیں چھوٹی ہیں۔ اس کے استخراج نہیں کہ کہاں 26 کہاں 112۔

(یہاں تک ساری بحث اسلامی اصول پر تھی۔ جس میں استدلال کا بڑا حصہ قرآن پاک ہی تھا۔ اس وقت مخالفین میں سے کسی صاحب کو ہمت نہ ہوئی کہ پروفیسر البرٹ امریکن کی اس پیشن گوئی کو مذکورہ بالا آیات قرآنی سے رد کردے تا کہ مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل اور دلوں میں اضطراب نہ بڑھے۔ کیا انہوں نے قرآن کی یہ آیات نہ پڑھی تھیں یا ان کا ترجمہ نہ کر سکے تھے۔ یہ سب کچھ کر سکتے تھے۔ حالانکہ علم ہیئات کی درست کتابیں بھی پڑھی ہوں گی۔ یہ کہئے کہ اپنے علم پر خود اعتماد نہ تھا۔ خوف تھا کہ جواب الجواب اگر ہوا تو کیسے پیش جائے گی۔ یہ بھی یاد نہ رہا کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

السالت عن اطق شیطان اخرس حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔

یا یہ کہ ایک طرف یہ خوف تھا کہ بحث آگے بڑھی تو لاعلمی کی وجہ سے ذِلت کا منہ دیکھنا پڑیگا اور دوسری طرف گونگا شیطان بننے کا اندیشہ تھا کہ انہوں نے آنے والی ذلت ورسوائی کے خوف سے شیطان بننا آسان سمجھا۔ اس واسطے کہ یہ ذلت ہاتھ کے ہاتھ ہوئی اور قیامت کس نے دیکھی ہے۔ جہاں خاموشی کی پاداشیں بھگتیں گے۔ ایسے آڑے وقت ہندوستان بھر سے صرف ایک آواز اٹھی اور اس شان سے اٹھی کہ اس نے پہلے آیات قرآن سے مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ کیا اور پھر فنی استدلال سے ملک بھر کے عام اضطراب کا خاتمہ کردیا۔ مجدد کی یہی شان ہونی چاہئے اور پھر اس رد کو اُردو اور انگریزی اخبارات میں شائع کرادیا کہ شاید پروفیسر البرٹ اور بد مذہبوں کی طرح اپنی بات کو پچ کریں اور کچھ بحث بڑھے تو ان کی بھی آگے چل کر وہی درگت بنے جو ان بد مذہبوں کی بن چکی۔ اس مضمون کے جواب میں ہندوستان یا امریکہ سے صدائے بدنخواست کا مضمون رہا۔ اس واسطے کہ اصولی پر اس میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کلام اسلامی اصول پر تھا۔ اب کچھ عقلی حرف ذنی بھی لیجئے۔ یہ کہنا کہ دوہزار برس سے ایسا اجتماع نہ دیکھا گیا بلکہ جب سے کواکب کی تاریخ شروع ہوئی نہ جانا گیا محض جزاف ہے۔

☆ مدعی اس پر دلیل رکھتا ہے تو پیش کرے ورنہ روز اوّل کواکب درکنار دوہزار برس کے تمام زیجات بالاستیعات اس نے مطالعہ کئے اور ایسا اجتماع نہ پایا یہ بھی یقیناً نہیں تو دعویٰ بے دلیل باطل وذلیل، یورنیس اور نیپچون تو اب ظاہر ہوئے۔ اصل زیجات میں ان کا پتا کہاں مگر یہ کہ اوساط موجود ہیں بطریق تفریق ان کے ہزاروں برس کے اوساط نکالے ہوں اور دعویٰ محض ادعاء۔ کیا سب کواکب نے آپس میں صلح کرکے آفتاب پر ایکا کرلیا ہے۔ یہ تو محض باطل ہے بلکہ مسئلہ جاذبیت اگر صحیح ہے تو اس کا اثر سب پر ہے قریب تر پر، قوی تر اور ضعیف تر پر شدید تر اور 17 دسمبر کو اوساط کواکب کا نقشہ یہ ہے۔

تقویم

کواکب	درجہ وسط	دقیقہ
مشتری	129	30
نیپچون	129	53
زہرہ	142	42
عطارد	153	50
مریخ	154	17
زحل	155	43
یورنیس	330	57

☆ اور ظاہر ہے کہ آفتاب ان سے ہزاروں درجے بڑا ہے۔ جب اتنے پر چھ کی کھینچ تان اس کا منہ زخمی کرنے میں کامیاب ہوگئی تو زحل کراس سے نہایت صغیر وحقیر ہے اور پانچ کی کشاکش اور ادھر سے یورنیس کی مارا مار یقیناً اس کو فنا کردینے کیلئے کافی ہوگی اور اس اعتبار سے ان کا فاصلہ بھی تنگ صرف 25 درجہ۔

☆ مریخ زحل سے بہت چھوٹا ہے اور اس کے لحاظ سے فاصل اور بھی کم فقط ساڑھے 24 درجہ تو یہ چار ہی مل کر اسے پاش پاش کردیں گے۔

☆ عطارد سب میں چھوٹا اور اس کے حساب سے باقی 13 درجے کے فاصلے میں ہیں تو فاصلہ 26 کا آدھا ہے تو یہ تین عظیم ہاتھی مع یورنیس اس چھوٹی سی چڑیا کے ریزہ ریزہ کردینے کو بہت ہیں۔ منجم نے اسی مضمون میں کہا ہے کہ دوسیارے ملے ہوئے کافی ہیں ایک چھوٹا داغ شمس میں پیدا کرنے اور ایک چھوٹا طوفان برپا کرنے میں اور تین ان میں سے بڑا طوفان اور بڑا داغ جب آفتاب میں تین اور چار کا یہ عمل تو بیچارے عطارد اور مریخ چار اور پانچ کے آگے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔
اور زحل پر اکھٹے چھ جمع ہیں۔ تو جو نسبت ان کو آفتاب سے ہے اس نسبت سے ان پر اثر زیادہ ہونا لازم۔ واجب تھا کہ یہ کھینچنے والوں سے چمٹ جائیں لیکن ان میں نافریت بھی رکھی ہے وہ انہیں تمرد پر لائے جس کا صاف نتیجہ ریزہ ریزہ ہوکر جواذب میں کم ہوجاتا ہے جب کہ مشہور ہے کہ کمزور چیز نہایت قوی سے کھینچی جائے گی اگر دوسری طرف اس کا تعلق ضعیف ہے کھینچ آئے گی ورنہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی۔ یہ سب اگر نہ ہوگا تو کیوں حالانکہ آفتاب پر اثر ضرب جرم شدید کا مقتضی یہ ہے اور ہوگا۔ یہ تو غنیمت ہے کہ آفتاب کی جان چھوٹی وہ آپس میں کٹ کر فنا ہوں گے نہ آفتاب کے اس طرح چھڑ رہیں گے نہ اسکے زخم آئے گا۔
بالجملہ! پیشن گوئی محض باطل و پادر ہوا ہے۔ غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے پھر اس کے عطا سے اسکے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اپنی خلق میں جب جو چاہے کرلے اگر اتفاقاً بہ مشیت الٰہی معاذ اللہ ان میں سے بعض یا فرض کیجئے کہ سب باتیں واقع ہوجائیں جب بھی پیش گوئی یقیناً جھوٹی ہے کہ وہ جن اوضاع کواکب پر مبنی ہے وہ اوضاع فرضی ہیں اور اگر بفرض غلط واقعی بھی ہوتے تو جن اصولوں پر مبنی ہیں وہ اصول محض بے اصل من گھڑت ہیں جن کا سہل و بے اثر ہونا خود اسی اجتماع نے ردن کردیا۔ اگر جاذبیت صحیح ہے تو یہ اجتماع نہ ہونا چاہئے اور اگر اجتماع نہ رون کردیا۔ اگر جاذبیت صحیح ہے تو یہ اجتماع نہ ہونا چاہئے اور اگر اجتماع قائم ہے تو جاذبیت کا اثر غلط ہے۔ بہر حال پیشن گوئی باطل واللہ یقول الحق و یہدی السبیل۔

جاذبیت پر ایک سہل سوال اوج حفیض شمس سے ہوتا ہے جس کا ہر سال مشاہدہ قطعہ لوج پر کہ اس کا وقت سوم جولائی ہے۔ آفتاب زمین سے نہایت بعد پر ہوتا ہے اور نقطہ حفیض پر کہ تقریباً سوم جلوری ہے غایب قرب پر یہ تفاوت اکیس لاکھ میل سے زائد ہے کہ تفتیش جدید میں بعد اوسط نو کروڑ انتیس لاکھ میل بتایا گیا ہے اور ہم نے حساب کیا مابین المرکزین دو درجہ پینتالیس ثانئے یعنی 245213 ہے تو بعد البعد 94458026 میل ہوا اور بعد اقرب 9130410974 میل تفاوت 3116052 میل۔ اگر زمین آفتاب کے گرد اپنے مدار بیضی پر گھومتی ہے جس کے مرکز اسفل میں آفتاب ہے جیسا کہ ہیئات جدید کا زعم ہے تو اول۔ نافریت ارضی کو جاذبیت شمس سے کیا نسبت کہ آفتاب حسب بیان اصول علم الہیاۃ جدیدہ میں بارہ لاکھ پینتالیس ہزار ایک سوتیس (1245130) زمینوں کے برابر ہے اور ہم نے بر بنائے مقررات تازہ اصل کردی پر حساب کیا تو اس سے بھی زائد آیا۔ یعنی تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن زمینوں کے برابر ہے۔ وہ جرم کہ اس کے بارہ تیرہ لاکھ حصوں میں سے ایک کے بھی برابر نہیں۔ اس کی کیا مقاومت کرسکتا ہے۔ گردورہ کرنا نہ تھا بلکہ پہلے ہی دن کھینچ کر اس میں جا تا کیا 12-13 لاکھ مل کر ایک کو کھینچیں تو کھنچ نہ سکے گا۔ بلکہ اس کے گرد گھومے گا۔

ثانیاً...... جبکہ نصف دعد میں جاذبیت شمس غالب آکر اکتیس لاکھ میل سے زائد زمین کو قریب کھینچ لائی تو نصف دوم میں اسے کس نے ضعیف کردیا کہ زمین پھر اکتیس لاکھ سے زیادہ دور بھاگ گئی حالانکہ قریب موجب قوت اثر جذب ہے تو حفیض پر لا کر جاذبیت شمس کا اثر اور قوی تر ہوتا ہے اور زمین کا وقتاً فوقتاً قریب تر ہوتا جانا لازم تھا نہ کہ نہایت قریب پر آکر اسکی قوت سست پڑے اور زمین اس کے نیچے سے چھوٹ کر پھر اتنی ہی دور ہو جائے۔ شاید جولائی سے جنوری تک آفتاب کو لمراتب زیادہ ملتا ہے۔ قوت تیز ہوتی ہے اور جنوری سے جولائی تک بھوکا رہتا ہے۔ کمزور پڑ جاتا ہے۔ دو جسم کے برابر ہوتے تو یہ کہنا ایک ظاہری لگتی ہوئی بات تھی کہ نصف حصہ میں یہ غالب ہوتا اور نصف دور میں وہ، نہ کہ وہ جرم کہ زمین کے 12 لاکھ امثال سے بڑا ہے اسے کھینچ کر 31 لاکھ میل سے زیادہ قریب کرے اور عین شباب اثر جذب کے وقت سست پڑ جائے اور ادھر ایک ادھر 12 لاکھ سے زائد پر غلبہ و مغلوبیت کا دورہ پورا نصف نصف انقسام پائے۔

ثالثاً......خاص ان میں نقطوں کا تعین اور ہر سال ان ہی پر غلبہ و مغلوبیت کی کیا وجہ بخلاف ہمارے اصول کے کہ زمین ساکن اور آفتاب اس کے گرد ایک ایسے دائرے پر متحرک ہی کا مرکز۔ مرکز عالم سے اکتیس لاکھ سولہ ہزار باون میل باہر ہے۔ اگر مرکز متحدہ ہوتا زمین سے آفتاب کا بعد ہمیشہ یکساں رہتا۔ مگر بوجہ ضروج مرکز جب آفتاب نقطہ الف پر ہوگا مرکز زمینی سے اسکا فصل ا، ح ہوگا۔ یعنی بقدر ا، ب نصف قطر مدار شمس + ب ح مابین امرکزین اور جب نقطہ ع پر ہوگا اور اس کا فصل حل ہوگا یعنی بقدر ب ء نصف قطر مدار شمس ب ج مابین المرکزین دونوں فصلوں میں بقدر دو چند مابین المرکزین فرق ہوگا یہ اصل کروی پر ہے۔ لیکن بعد اوسط اصل بیضی میں لیا گیا ہے۔ اس میں بعد اوسط منصف مابین المرکزین پر ہے تو بعد اوسط نصف مابین المرکزین = بعد ابعد نصف مذکور = بعد اقرب لا جرم مابین المرکزین فرق ہوگا اور یہی نقطے اس قرب و بعد کیلئے خود ہی متعین رہیں گے۔ کتنی صاف بات ہے جس میں نہ جاذبیت کا جھگڑا نہ نافریت کا بکھیڑا۔

ذالك تقدير العزيز العليم

یہ سادھا ہوا زبردست جاننے والے کا ہے۔

جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ سیدنا و الیہ و صحبہ وسلم

یہاں منجم میں اور بہت اغلاط ہیں جن کی طرف التفات نہ کیا۔

واللہ سبحٰنہ و تعالیٰ اعلم

مطبوعہ الرضا بریلی۔ شمارہ نمبر 2

عاداتِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کی عادت شریفہ کے متعلق حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دو ہماری ہوش سے خدا بخش مرحوم ہمارے خاندان اور بعض دیگر اہل محلہ میں پانی بھرتے تھے اور ان کا سب سے بڑا بیٹا محمد بخش جو کہ ابھی بالغ نہیں ہوا تھا اعلیٰ حضرت کے ہاں اپنی چھوٹی مشک سے پانی بھرا کرتا تھا۔ پھر جب وہ بالغ ہوگیا تو اس کا چھوٹا بیٹا جو ابھی نابالغ تھا اس فریضہ کو انجام دینے لگا اس کا نام حافظ احمد بخش تھا۔ ان دونوں کی ماں کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا چنانچہ خدا بخش نے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔ اس عورت سے بھی ربّ العزت نے اڑھائی اڑھائی برس کے فرق سے بیٹے پیدا کیے۔

چنانچہ خدا بخش نے اپنے نابالغ لڑکوں سے اعلیٰ حضرت کے ہاں پانی لے جانے کی خدمت پوری کی۔ منشا ان کی یہی تھی کہ بی بی صاحبہ اور صاحبزادیوں کو پانی کے سلسلے میں بار بار پردے کی تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے۔ یونہی سلسلہ چل رہا تھا کہ ایک بڑا ہی اہم واقعہ رونما ہوا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ دارالعلوم منظر الاسلام میں جلسے ہو رہے تھے۔ اکثر علمائے کرام دور دراز سے تشریف لائے تھے۔ ظہر کا وقت تھا۔ ان علمائے کرام میں شاید یہ چار صاحبان ضرور تھے۔ مولانا یعقوب علی خان بلاسپوری، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی، حضرت مولانا وصی احمد سورتی اور حضرت سید دیدار علی شاہ صاحب۔

ایک بچہ سقہ میں پانی بھر رہا تھا۔ جب اس نے ڈول اوپر کھینچ لیا تو کسی ایک صاحب نے پانی لینے کیلئے لوٹا بڑھا دیا۔ لڑکے نے ان کی طرف بغور دیکھ کر اپنا ڈول اپنی مشک میں لوٹا کر کہا کہ جناب عالی! میں نابالغ ہوں میرے دیئے ہوئے پانی سے آپ کا وضو نہ ہوگا۔ مسئلہ اپنی جگہ بالکل درست تھا۔ اب اس سے جرح کا سوال ہوا کہ تم کہاں کہاں پانی بھرتے ہو۔ اس نے بتایا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاں بھرتا ہوں۔ پھر اس سے پوچھا گیا کہ ان کا وضو کیسے ہو جاتا ہے۔ اس پر بچہ سقہ خاموش ہوگیا۔ اس اثناء میں حاجی کفایت اللہ صاحب اس جگہ آگئے تھے اور یہ گفتگو بڑے غور سے سن رہے تھے۔ انہوں نے بتلایا کہ پانی کا معاہدہ چونکہ اس کے باپ کے ساتھ ہے۔ اب وہ خواہ خود بھرے یا اپنے بچوں سے بھرائے خواہ وہ بچے نابالغ ہی کیوں نہ ہوں وضو درست ہوگا۔

اس پر مولانا سید سلیمان اشرف نے فرمایا کہ فقیہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے خدام بھی مسائل فقہ جانتے ہوں۔ ان کے گھر کی ملازم عورتیں اور باہر کے ملازم مرد اگر کام کاج کے قابل نہ رہتے یا اگر شدید علیل ہو جاتے تو ان کو تادم مرگ تنخواہ دیتے رہتے۔ اس کے لئے علاج معالجہ کیلئے بھی ہر ممکن امداد فرمائی جاتی۔

میرے سامنے بھی چند ایسے حادثے ہوئے ہیں۔ کسی ملازم کا نکالا جانا مجھے تو یاد نہیں ہے۔ کسی بھی شخص کی اچھائی و برائی کی درست جانچ پڑتال اس کے نجی حالات ہی سے ہوسکتی ہے، منظر عام پر تو ہر شخص بن سنور کر ہی آتا ہے یا لایا جاتا ہے۔ میں نے اس دور کے بعض لوگوں کی سوانح عمریاں دیکھی ہیں۔ ان کے مصنفین نے اپنے ممدوح کو بڑی بلند سطح پر دکھایا ہے۔ بعض نے سطح بشری سے بھی اونچا کر ڈالا ہے۔ مگر جب ان کے نجی حالات کو ٹٹولا تو کچھ نہ کچھ گول ہی نکلا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم شخصیت کے نجی حالات کیلئے ایک الگ دفتر درکار ہے۔ اس کتاب میں اس کی گنجائش کہاں!

سادات کی تکریم

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندانی طور پر سادات کی دلی تکریم کیا کرتے تھے۔آپ کے دادا جان مولانا رضا علی خان صاحب روزانہ بعداز نماز فجر سادات کرام کے نو محلّہ کی خیریت دریافت کرنے اور سلام عرض کرنے جایا کرتے تھے۔ ان کے اس معمول میں کسی خاص مجبوری کی وجہ سے ہی تعطل واقع ہوتا۔مولانا رضا علی خان صاحب کے بعد مولانا نقی علی خان صاحب بھی اس خاندان سے وابستہ رہے۔ کیونکہ وہ اپنے والد ماجد کو اسی طریقہ پرعمل کرتے دیکھا کرتے تھے۔ مولانا نقی علی خان صاحب نے بھی اس جلیل القدر روایت کو قائم رکھا۔

ہر تقریب میں سادات کرام کو بطور خاص مدعو کیا جاتا اور ان کو زوردیکر شریک کیا جاتا جبکہ ان کا اعزازی حصہ سب سے دگنا ہوا کرتا۔ اس بات سے سبھی خاص وعوام آگاہ تھے۔کیونکہ برسوں سے اسی عمل کو سب دیکھ رہے تھے۔اعلیٰ حضرت نے بھی اس روایت کو جاری رکھا اور سب سے بڑھ کر سادات کی تکریم فرمائی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اگر کبھی کبھار ناراض ہوجایا کرتے تو اکثر خاموشی اختیار کرلیا کرتے اور طعام سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ ایسے میں آپ پان کھانا یا حقہ وغیرہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔لازمی بات ہے کہ ان حالات میں صحت مزید خراب ہوجایا کرتی تھی۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ کسی کو ڈانٹنا نہیں بلکہ اپنے اوپر ہی جبر کرنا ہے۔آپ کی عمومی صحت اس بات کی متقاضی نہ تھی کہ اکثر بھوکا رہا جائے۔ چنانچہ اہل خانہ پہلے تو خود ہی غصہ دور کرنے کی کوشش کرتے مگر جب کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوتی تو سید صاحبان سے عرض کیا جاتا۔

ان کو تو یہ معلوم ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کبھی سادات کی بات کو نہیں ٹالتے۔اس لئے اگر ایسا کوئی مسئلہ طول پکڑ لیتا تو سادات سے رابطہ کیا جاتا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ بالکل صحیح ہوجاتے ۔ ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے ناشتہ شروع کردیا۔ یعنی باقی تمام اوقات میں کھانا چھوڑ دیا۔ اہل خانہ نے بڑی کوششیں کیں مگر آپ نہ مانے۔ ان حالات میں اہل خانہ نے سادات کرام سے جا کر عرض کیا کہ دو ماہ سے اعلیٰ حضرت نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ہم سب کوششیں کرکے تھک گئے ہیں۔ ہماری بات تو وہ مانتے ہی نہیں۔آپ ہی انہیں مجبور کرسکتے ہیں۔کیونکہ وہ آپ کی کوئی بات نہیں ٹالتے۔

جناب سید مقبول صاحب نے جب یہ سنا تو پیار اور محبت سے فرمایا کہ ہماری زندگی میں انہیں یہ ہمت ہوگئی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ابھی کھانا تیار کراتا ہوں اور لے کر آتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت زنان خانے میں تھے۔ اطلاع پاتے ہی فوراً باہر آئے قدم بوس ہوئے۔ اب بات چیت شروع ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا، میں نے سنا ہے کہ آپ نے کھانا چھوڑ رکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا، میں تو روز کھاتا ہوں۔

(اصل میں اس فقرے میں کمال ادب اور وارفتگی ہے کہ جیسے کوئی بچہ اپنے کسی بڑے سے لاڈ پیار کر رہا ہو۔ حالانکہ دینی مسائل کے لحاظ سے آپ ان شاہ صاحب سے کہیں اعلیٰ و افضل تھے۔ فقہی مسائل پر آپ ایک بڑے عالم دین تھے اور پورے ہندوستان میں آپ کی ہر بات کو ایک سند کا درجہ حاصل تھا۔ مگر یہاں آپ کے سامنے آقائے نامدار کی نسبت کی وجہ سے وہ شاہ صاحب ایک نہایت ہی مقدس شخصیت تھے کہ جن سے بات کرتے ہوئے آپ نہایت دھیمی گفتگو فرماتے تھے۔ حالانکہ گھر والوں کیلئے آپ تنک مزاج تھے۔)

شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے، جیسا آپ کھاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا، حضور میرے معاملات میں اب تک کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ میں اپنا سب کام بدستور کرتا ہوں۔ مجھے اس سے زیادہ (طعام) کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

آپ کی یہ بات سن کر شاہ صاحب نے مصنوعی خفگی کا اظہار فرمایا اور برہم ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور (شاہ صاحب بھی اعلیٰ حضرت کے بلند مرتبہ سے بخوبی واقف تھے اور یہ بڑی اچھی طرح جانتے تھے کہ اعلیٰ حضرت ان کی عزت کیوں کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ خفگی بھی اسی اپنائیت اور پیار کا ایک اظہار ہے)

شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تو میں کھانا لئے جاتا ہوں۔ کل میدان قیامت میں سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے بڑے شوق سے کھانا پکایا اور ایک سید لے کر آیا مگر آپ کے احمد رضا خاں نے کسی طرح نہ کھایا۔

(اب آپ خود غور فرمایئے کہ جب کسی کو یہ کہا جائے کہ وہ کس کا ہے تو اس کا کیا حال ہوگا اور پھر اگر یہ بات اعلیٰ حضرت کو کہی جائے کہ آپ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں تو آپ خیال فرمائینگے کہ کیا اعلیٰ حضرت جیسے رقیق القلب کی چیخیں ہی نکل گئی ہونگی۔

مجھے یہاں ایک واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایک مرتبہ سعودی عرب کے فرمانروا شاہ سعود ہندوستان کے سرکاری دورے پر آئے۔ سرکاری طور پر انہوں نے اپنے دورے کے دوران علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کیلئے ایک گراں قدر گرانٹ بھی دینا تھی۔ جب بھارتی حکومت نے یہ سنا تو سعودی سفیر سے کہا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کو گرانٹ دینا شاہ سعود کیلئے سیاسی طور پر کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ بنارس یونیورسٹی کو بھی گرانٹ دی جائے۔ چنانچہ شاہ سعود نے یہ بات جان لی۔ ایک روز سعودی سفیر بنارس میں انتظامات کا جائزہ لینے کیلئے تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایئرپورٹ سے یونیورسٹی تک جانے والی سڑک کے دونوں اطراف میں جا بجا مندر ہیں اور مورتیاں صاف دکھائی دے رہی ہیں۔ سعودی سفیر نے بھارتی حکومت کو متنبہ کیا کہ جلالۃ الملک تو یہ کسی طرح برداشت نہیں کریں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ناراضگی کا اظہار کر دیں۔

اس صورتحال میں ہندوستان کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان مندروں پر سیاہ پردے گرادیئے جائیں تاکہ شاہ سعود کی ان پر نظر نہ پڑے، یہی کیا گیا۔شاہ سعود آئے اور پانچ لاکھ روپے بنارس یونیورسٹی کو گرانٹ دے کر چلے گئے۔دورہ ختم ہوا اور شاہ سعود دیگر مصروفیات ختم کر کے سعودی عرب واپس تشریف لے گئے۔

دس پندرہ روز کے بعد بنارس میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔اس مشاعرے میں ایک شاعر نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا کہ

چھپائے بیٹھے تھے غیرت سے منہ صنم خانے

میرے حضور (ﷺ) کا ادنیٰ غلام آیا تھا

اس شعر نے پورے ہندوستان میں شہرت حاصل کی۔شدہ شدہ یہ بات سعودی سفیر کے کانوں تک بھی پہنچی۔انہوں نے یہ شعر ترجمہ کروا کر شاہ سعود کو بھجوادیا۔کچھ ہی دنوں کے بعد شاہ سعود نے اس شاعر کیلئے تہنیت نامہ ارسال کیا اور اس بات کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انکو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں میں شمار کیا۔اس کیساتھ شاعر صاحب کو ایک لاکھ روپے بطور نذرانہ بھی پیش کئے۔

کچھ اسی قسم کا یہ فقرہ بھی تھا کہ شاہ صاحب فرمارہے ہیں کہ روز قیامت میں سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا کہ آپ کا احمد رضا خاں۔اب آپ اس فقرے پر غور کریں کہ ایک سیّد صاحب نے جب یہ کہا کہ آپ کا احمد رضا خاں ...... تو اعلیٰ حضرت کو تو پوری دنیا ہی نظروں سے غائب ہوگئی ہوگی، نظارہ رہ گیا ہوگا فقط مدینے کا۔)

اعلیٰ حضرت نے یہ سنا تو کانپ کر رہ گئے اور عرض کیا کہ میں تعمیل حکم کیلئے حاضر ہوں۔ابھی کھائے لیتا ہو۔شاہ صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اب تو یہ کھانا آپ جب ہی کھا سکتے ہیں جب آپ یہ وعدہ کریں کہ اب عمر بھر کھانا ترک نہ کرو گے۔

اعلیٰ حضرت نے عمر بھر کھانا نہ چھوڑنے کا وعدہ فرمایا تو شاہ صاحب نے انہیں اپنے سامنے کھانا کھلایا اور خوشی خوشی واپس تشریف لے گئے۔اعلیٰ حضرت کیلئے سادات کرام کا جائز حکم آخری ہوتا تھا۔سادات کرام کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کو سوائے تعمیل حکم کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ ہوتا تھا۔

ہم نے (مولانا حسنین رضا خان) آپکے والد ماجد کا دور تو نہیں دیکھا مگر یہ دیکھا کہ اللہ و رسول کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کے ہاں سادات کرام کا ہی حکم نافذ ہوسکتا تھا۔یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم کی آخری وصیت **انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی** 'میں تم میں دو بھاری امانتیں چھوڑتا ہوں۔اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد' پر پورا عمل کر کے اس دور میں اعلیٰ حضرت قبلہ ہی نے دکھایا۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ اعلیٰ حضرت اپنے چھوٹے بیٹے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب کو پڑھا رہے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ پہلے پچھلا سبق سنتے پھر اگلا سبق دیتے تھے۔ اب جو پچھلا سبق سنا تو یاد نہ تھا۔ اس بات پر ان کو سزا دی۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ محترمہ جو دوسرے دالان میں تشریف فرما تھیں انہیں کسی طرح اس بات کی خبر ہوگئی وہ حضرت حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں۔ غصہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دو ہتڑ مارا اور فرمایا، تم میرے حامد کو کیوں مارتے ہو۔ اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہوگئے اور اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ اماں اور ماریئے جب تک آپ کا غصہ فرو نہ ہوجائے۔ یہ کہہ کر آپ جھک گئے آپ کی والدہ صاحبہ نے ایک دو ہتڑ اور مارا۔ اعلیٰ حضرت بدستور سر جھکائے کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی والدہ صاحبہ مولانا حامد رضا کو لے کر چلی گئیں۔ اس دوران نہ تو اعلیٰ حضرت نے صفائی پیش کی کہ انہوں نے مولانا حامد رضا خان صاحب کو کیوں مارا، حالانکہ آپ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ انہوں نے سبق یاد نہ کیا تھا اس لئے ان کو سزا دی گئی اور نہ ہی ماں کے ساتھ جرح کی۔ بلکہ اپنی والدہ صاحبہ کو شدید غصہ کے عالم میں دیکھ کر خود کو نرم کرلیا۔ حالانکہ گھر والوں کو تنک مزاجی معلوم تھی۔ مگر والدہ صاحبہ کی عزت و تکریم کی خاطر یہ سب کچھ خوشی خوشی برداشت کرگئے۔ اس وقت تو غصہ میں والدہ صاحبہ آپ کو دو ہتڑ مار کر چلی گئیں مگر اس واقعہ کا ذکر جب کرتیں تو آبدیدہ ہوکر فرماتیں کہ دو ہتڑ مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع فرماں بردار بیٹے کو جس نے خود کو پٹنے کیلئے پیش کردیا۔ دو ہتڑ کیسے مارا۔ افسوس!

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بڑوں کی عزت و تکریم۔ اسی لئے ربّ العزت نے ان کو گھر بیٹھے حیرت انگیز وقار عطا فرمایا۔ ان کے دور میں اس کی ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ دوست دشمن سب ان کا لوہا مانتے تھے اور اب بھی جو لوگ ان کو جانتے جا رہے ہیں وہ ان کو اپنے دور کا سب سے بڑا رہنما مانتے جا رہے ہیں۔ آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ ان کی شخصیت سب سے پیش پیش ہے اور ہر نزاعی مسئلہ میں ان کے رسائل و فتاویٰ پر سب کی نظر ہے۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک نوعمر لڑکا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت ہی بے تکلفی سے کہنے لگا کہ میری والدہ صاحبہ نے آپ کی دعوت کی ہے آپ کل صبح کھانا ہمارے گھر کھایئے گا۔ اس لڑکے کی بے تکلفی پر اعلیٰ حضرت نے تبسم فرمایا اور ازراہ مذاق دریافت فرمایا کہ ارے میاں صاحبزادے! ہمیں کیا کھلاؤ گے۔ اس لڑکے نے اپنے کرتے کا دامن پھیلا کر دکھایا جو اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا۔ اس میں ماش کی دال اور کچھ مرچیں تھیں اور کہنے لگا کہ ہاں ہاں! دیکھئے یہ کیا لایا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ اچھا بیٹا! میں اور حاجی کفایت اللہ صاحب دونوں آئیں گے۔

یہ کہہ کر آپ نے حاجی صاحب سے فرمایا کہ حاجی صاحب اس بچہ سے اس کے گھر کا پتا معلوم کرلیں۔ حاجی صاحب نے اس لڑکے سے اس کے گھر کا پتا معلوم کرلیا اور وہ بچہ خوشی خوشی گھر چلا گیا۔ دوسرا دن جب آیا تو صبح سویرے گھر سے باہر تشریف لائے اور حاجی صاحب سے چلنے کا کہا۔ حاجی صاحب حیران ہوئے مگر چلنے پر تیار ہوگئے۔

اس لڑکے نے جو پتا بتلایا تھا وہ محلّہ ملوکپور میں تھا۔ جس وقت دونوں بزرگ اس مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ لڑکا دروازے پر کھڑا منتظر ہے۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی لڑکا اندر کو بھاگا اور کہنے لگا، اماں! مولوی صاحب آگئے ہیں۔ ان کے دروازے پر ایک چھپر پڑا ہوا تھا۔ اس کے سایہ میں اعلیٰ حضرت اور حاجی کفایت اللہ صاحب بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ڈلیا میں باجرہ کی گرم گرم روٹیاں آگئیں اور مٹی کی رکابی میں ماش کی دال، جس میں مرچوں کے ٹکڑے کٹے ہوئے تھے۔ یہ رکھ کر لڑکا کہنے لگا کہ مولوی صاحب! بسم اللہ کیجئے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ میاں صاحبزادے! ہاتھ دھونے کیلئے پانی تو لاؤ۔ جب وہ پانی لینے کیلئے گھر کے اندر چلا گیا تو حاجی صاحب نے عرض کیا، اعلیٰ حضرت! یہ مکان تو نقارچی کا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا کہ حاجی صاحب! ابھی سے کیوں کہہ دیا۔ بھلا کھانے کے بعد کہتے۔ اس دوران لڑکا پانی کا برتن لے کر آگیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس سے پوچھا کہ میاں صاحبزادے! تمہارے والد کہاں ہیں اور یہ بتلاؤ کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ آپ کی باتیں لڑکے کی ماں سن رہی تھی، اس نے لڑکے کے بولنے سے پہلے عرض کیا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے وہ پہلے کبھی نوبت بجایا کرتے تھے، مگر وفات سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے توبہ کر لی تھی اور اب تو کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے جو مستریوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ان لوگوں کیلئے خیر و برکت کیلئے دعا کی۔ حاجی صاحب نے جب یہ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت بڑی رغبت سے کھانا کھا رہے ہیں تو وہ بھی شریک طعام ہو گئے۔ مگر یہ برابر سوچتے رہے کہ گھر پر تو اعلیٰ حضرت بڑی احتیاط برتتے ہیں مگر یہاں باجرہ کی روٹی اور ماش کی دال بڑے مزے سے کھا رہے ہیں۔

حالانکہ گھر پر سوائے بکرے کے گوشت یا چوزے کے شوربے کے اور کوئی چیز پیش نہیں کی جاتی تھی۔ کیونکہ جسمانی طور پر آپ کمزور ہو چکے تھے۔ جب گردوں میں مسلسل بیٹھے رہنے سے درد رہنے لگا تھا۔ مگر آپ نے کبھی علالت یا کمزوری یا دیگر عوارض کو دینی امور میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ اس زمانے میں پردے کا کس قدر خیال تھا کہ علاقے کے ایک نہایت نامور عالم دین اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ دعوت پر چلے گئے اور ان کو گھر کے باہر ایک چھپر کے نیچے بٹھایا گیا اور وہ بیٹھ گئے، نہ تو ان کیساتھ مریدین کی فوج گئی اور نہ ہی اس عورت نے بے تکلفی سے ان دونوں کو گھر کے اندر بلوایا۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بڑی غور طلب ہے کہ حضرت صاحب محض ایک ساتھی کے ہمراہ دعوت پر چلے گئے یہ نہیں کیا کہ مریدین کی فوج ہمراہ لے جاتے۔ یہی وہ بات تھی کہ جس نے احمد رضا خان کو تا قیامت اعلیٰ حضرت جیسا لافانی خطاب عطا کیا کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کی نمائش نہیں کی تھی اور ہمیشہ سادگی کو پسند فرمایا تھا ورنہ آپ ایک لڑکے کی دعوت سے انکار بھی تو کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اس کا دل توڑنا پسند نہ فرمایا۔

ایک روز ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کو مع ان کے ساتھیوں کے دعوت پر مدعو کر گئے۔ اگلے روز انہوں نے مہمانوں کو لانے کے لئے گاڑی بھیج دی۔ اعلیٰ حضرت کے ساتھیوں میں مولانا ظفرالدین صاحب بھی تھے۔ مکان پر گاڑی جب پہنچی تو مہمانوں کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت کی طبیعت قدرے ناساز تھی۔ چنانچہ بڑے ادب سے گاڑی سے اتارا اور مکان کے اندر لے جا کر چارپائی پر بٹھادیا۔

ہاتھ دھلانے کے بعد ایک ڈلیا میں روٹیاں اور رکابیوں میں گائے کے گوشت کا قیمہ پکا ہوا رکھ دیا۔ اعلیٰ حضرت نے مع احباب کھانا تناول کرنا شروع کر دیا۔ مگر مولانا ظفرالدین خان صاحب کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت گائے کا گوشت نہیں کھاتے کیونکہ یہ آپ کی صحت کیلئے مضر ہے اگر کبھی گھر میں گائے کا گوشت پکتا تو آپ روٹی شوربے سے کھالیتے اور گوشت نہ کھاتے مگر یہاں تو معاملہ ہی اور تھا اور قیمہ کھانا ہی پڑتا تھا اس میں یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ شوربہ سے روٹی کھالی جائے۔

اعلیٰ حضرت ایک صاحب نظر بزرگ تھے۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ مولانا ظفرالدین خان صاحب کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ نے مولانا صاحب کو بطور خاص مخاطب کر کے فرمایا کہ حدیث شریف میں ایک دعا وارد ہے کہ اگر اس دعا کو پڑھ کر جو کچھ بھی کھالیا جائے ہرگز ضرر نہ پہنچائے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمع شئی فی الارض ولا فی السماء و ھو السمیع العلیم

ترجمہ : میں اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کا نام نامی ہوتے ہوئے زمین وآسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

مولانا ظفرالدین صاحب فوراً سمجھ گئے کہ اعلیٰ حضرت نے ان کے دلی جذبات معلوم کر لئے ہیں۔ اس لئے ان کے دلی خطرات کو رفع کرنے کیلئے بطور خاص اس دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس کے باوجود مولانا صاحب چونکہ میزبان کے بے تکلف دوست تھے مولانا نے کہہ ہی دیا کہ حضرت! آپ کی مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ آپ اعلیٰ حضرت کیلئے پرہیزی کھانا نہیں پکوا سکتے تھے تو آپ نے دعوت طعام ہی کیوں دی۔ حالانکہ آپ کو تو یہ معلوم ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی صحت ان چیزوں کو کھانے کی اجازت نہیں دیتی اور آپ گھر میں انتہائی پرہیزی غذا تناول فرماتے ہیں۔

میزبان نے برجستہ جواب دیا کہ مولانا صاحب! میں یہ جانتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی صحت کمزور ہے اور آپ کو گھر میں انتہائی پرہیزی غذا دی جاتی ہے مگر اپنی مالی حالت کو درست کرنے کے واسطے تو اعلیٰ حضرت قبلہ کو مدعو کیا کہ آپ کے دم قدم سے میرے خراب مالی حالات درست ہو جائیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ آپ جب تناول فرما کر میرے لئے دعا فرمائیں گے تو میرے خراب حالات خود بخود دُرست ہو جائیں گے۔

چنانچہ یہی ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ان کے حالات درست ہو گئے اور مالی کمزوری دُور ہو گئی۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے معتقد کیسے کیسے جہاندیدہ حضرات تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت کی صحت حالانکہ بد پرہیزی کی اجازت نہیں دیتی مگر آپ دعوت پر بلوائے جانے پر بھی انکار نہیں فرماتے اور اسی کیساتھ ساتھ آپ دعوت میں پیش کی جانے والی ہر شے کو کمال اطمینان سے تناول فرمالیتے تھے۔ کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں یہ چیز پسند نہیں کرتا، کبھی یوں نہیں ہوا کہ آپ نے دعوت سے قبل اپنے احباب میں سے کسی کو خاص تاکید کے ساتھ میزبان کے ہاں رواں کیا ہو کہ میزبان سے کہو کہ یہ پکائے یا وہ پکائے۔

دوسری بات یہ بڑی عظیم ترین ہے کہ آپ کی حیات مبارک کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب بھی کسی دعوت پر تشریف لے کر گئے تو صرف ایک ہی صاحب آپ کے ساتھ ہو گئے۔ ہمیں یہ نظر نہیں آتا کہ آپ کے ساتھ احباب کی ایک بڑی یا چھوٹی تعداد ہو۔ جیسا کہ آج کل ہمارے دور رواج بن چکا ہے۔ صورتحال بڑی تشویشناک ہے۔ کیونکہ اس طرح غریب لوگ علمائے کرام اور پیران عظام کی دعوت ہی نہیں کر پاتے۔ ان کے خیال میں یہ تو خاصی معقول رقم کا کام ہے۔

مگر اعلیٰ حضرت کی سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ بات بڑی وضاحت سے نظر آئی ہے کہ آپ نے خود ہی لوگوں کے دلوں میں یہ شوق ڈالا کہ دعوت پر بلایا جائے۔ پھر جب آپ کو کسی کی دعوت پر بلوایا جاتا تو آپ اپنے ساتھ فقط ایک صاحب کو ہی لے کر جاتے مبادا صاحب خانہ پریشان ہی نہ ہو جائے۔ ہمیں بھی اسی روش کو اپنانا چاہئے کیونکہ بزرگوں کی زندگیوں کے مطالعہ سے ہمیں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے ہاں مگر حاصل کرنے کی کوشش اگر کی جائے تو، ورنہ لا حاصل ہے۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ کی فطرت میں ایثار کو بڑا دخل تھا اور اس کیلئے پہلے سے کسی خاص تعارف یا کسی واسطے کی یا کسی تعلق کی قطعی حاجت نہ تھی۔ آپکی نظر میں کسی شخص کا فقط مسلمان ہونا ہی بڑی بات تھی اور اس میں آپ اس سے ہمدردی کرتے تھے۔

جناب مقبول احمد خان صاحب جو کہ بعد میں صدر مدرس و مہتمم مدرسہ حمیدہ در بھنگر ہوئے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں جب ٹونک میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب سے پڑھا کرتا تھا، وہاں ایک بزرگ تشریف لائے جو بڑی مستجاب الدعوات شخصیت تھے اور ان کے تعویذات کا بھی بڑا شہرہ تھا۔ ان کے متعلق یہ بات بڑی مشہور رکھتی تھی کہ وہ جس مقصد کیلئے تعویذ دیتے تھے، تیر بہدف ثابت ہوتا تھا۔ جس مقصد کیلئے کوئی تعویذ لے کر جاتا، کامیابی اس کے قدم چومتی تھی۔ لوگ اپنے مقصد کے حاصل ہونے پر ان کی خدمت میں کافی نذرانے لے کر حاضر ہوتے تھے۔

میں نے یہ صورتحال دیکھ کر کسی قسم کے تعویذ کی فرمائش نہ کی، اس کا شاید انہیں پتا چل گیا۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے فرمایا کہ تم کوئی تعویذ کیوں نہیں لیتے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس نذر کرنے کیلئے تو کچھ بھی نہیں ہے کہ میں تعویذ کی خواہش کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کسی سے کچھ مانگتے تو نہیں ہیں۔ جو کچھ کوئی دے دیتا ہے، رکھ لیتے ہیں۔ یہ بھلا کوئی زبردستی تو نہیں۔ تم کسی قسم کی ندامت نہ دینا۔ اس کے بعد خود ہی مجھے ایک عدد نقش عطا فرمایا مگر یہ بھی تاکید فرمائی کہ اس کو سونے کے لوح پر شرف آفتاب میں کندہ کروا کر انگوٹھی پر جڑوا کر پہن لو۔ تسخیر واکسیر ہے۔

چنانچہ میں نے ٹونک سے ایک عریضہ ارسال کیا اور دریافت کیا کہ مجھے آپ یہ بتلادیں کہ اس سال شرف آفتاب کس وقت ہے اور کس وقت تک رہے گا۔ میرا عریضہ جس دن حضرت کو ملا اتفاق سے اس کے دوسرے روز شرف آفتاب تھا۔ اگر اعلیٰ حضرت بذریعہ ڈاک اس خط کا جواب دیتے تو اس میں کافی دن لگ جاتے اور یوں شرف آفتاب نکل جاتا۔ یوں مجھے ایک برس مزید انتظار کرنا پڑتا اور یہ پورا برس مجھے پچھتاوے کے ساتھ گزارنا پڑتا۔ اس بات کا احساس اعلیٰ حضرت کو ہوا۔ چنانچہ آپ نے اس مسئلے کو یوں حل فرمایا کہ اپنے ہی خرچ پر مجھے ایک تار ارسال فرمایا جس میں مجھے بتایا گیا کہ کل صبح نو بجے شرف آفتاب شروع ہوگا اور ایک دن اور ایک رات رہے گا۔

آپ کی ذرہ نوازی کہ مجھے تار بروقت مل گیا اور میں نے مقررہ وقت میں ہی سونے کے پترے پر نقش کندہ کروالیا تھا۔ یہ انگوٹھی میں ہر وقت پہنے رہتا ہوں۔ جس وقت بھی میری نظر انگوٹھی پر پڑتی ہے تو بے اختیار مجھے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بزرگانہ شفقت یاد آجاتی کہ کس طرح آپ نے ایک طالب علم کی پریشانی کا احساس فرمایا۔ بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خان صاحب رقمطراز ہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ایثار کی ایک بے مثل جائیداد کا مسئلہ بھی تھا جن کی تفصیل بہت جگہ گھیرے گی، مختصراً عرض کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنی دوران علالت علاقے کی تقسیم کا دفعتاً ارادہ کرلیا اور موضعات کی حقیقت اپنی دو بیٹیوں کو دیکر باقی تمام مواضعات اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھے جبکہ پچاس پچاس روپے ماہوار ان کے دونوں بھائیوں کو ان مواضعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔ وہ دونوں بھائی یعنی مولوی حسن رضا خان اور مولوی محمد رضا خان، اعلیٰ حضرت سے چھوٹے تھے۔ عم مکرم مولوی محمد رضا خان تو بہت ہی کم عمر تھے، ان دونوں میں اتنی بڑی جائیداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس وقت دونوں بھائیوں کی وکالت فرمائی۔ مذکورہ بالا مسودہ جب آپ کے والد ماجد نے آپ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امن میاں (اعلیٰ حضرت قبلہ) کو دکھالیں تو میں اسے رجسٹری کرادوں۔ والدہ صاحبہ نے وہ مسودہ اعلیٰ حضرت کو دے دیا۔ آپ نے دیکھا، دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور چہرہ تمتمانے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اس مسودے کی دونوں باتیں ہی مجھے نامنظور ہیں نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصوں کی کمی منظور ہے اور نہ ہی ان کو اپنا دست نگر بنانا چاہتا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصے کردیئے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔

یہ فرما کر آپ نے اس مسودہ کو چاک کردیا۔ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کا یہ جواب والد محترم تک پہنچایا تو آپ کے والد محترم نے آپ کی والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ یہ میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امن میاں صرف دین ہی کی خدمت کریں گے اور ان کے یہ دونوں بھائی اور کچھ دنیا کما کر ان پچاس پچاس روپوں میں اضافہ کرلیا کریں گے۔ جو ان کے گزارے کیلئے کافی ہوگا۔ جب اعلیٰ حضرت راضی نہ ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے دوسرا مسودہ لکھا، اس میں کل کی آدھی جائیداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی گئی اور بقیہ آدھی جائیداد میں ان دونوں بھائیوں کو برابر شریک کردیا اور یہ مسودہ بھی اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امن میاں کو دکھاؤ اور ان سے کہو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی، میں تم کو بحق پدری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلد ہی رجسٹری ہوجائے۔ چنانچہ مسودہ رجسٹری ہوگیا اور چند ہی روز بعد حضرت مولانا نقی علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یعنی والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

والد محترم کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ صاحبہ کو اس بات پر راضی کرلیا کہ آپ گھر کا نظام اس طرح کرلیں کہ زیادہ سے زیادہ روپیہ پس انداز ہو اور بچت کے روپے سے دوسری جائیداد خرید کر میرے دونوں بھائیوں کی جائیداد میری جائیداد کے برابر کرلیں۔ اس جائیداد کے ملحقہ حصے مولانا نقی علی خان کے چار بھائیوں کے پاس تھے۔ وہ چار بھائی تھے خرچ زیادہ تھا اور آمدنی کم۔ انہوں نے مقدمہ بازی شروع کردی، جس سے وہ ہارتے رہے۔ انہیں مقدمہ بازی کے دور میں اپنی جائیداد کے حصص فروخت کرنا پڑے اور وہ حصص اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خریدنا شروع کردیئے۔

جب تک مقدمہ بازی کا دور چلتا رہا (جو سات آٹھ سال رہا) انکی جائیداد کی ادھر سے خریداری ہوتی رہی۔ مقدمہ بازی جب ختم ہوئی تو خریداری بھی بند کردی گئی اور یہ بھی ہوا کہ اعلیٰ حضرت اور آپ کے دونوں بھائیوں کی اولادیں بڑھیں۔ رہائشی مکان ناکافی ہوگیا تو مکان آپس میں تقسیم کر کے تینوں بھائی علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مکان میں منتقل ہوگئے۔ اب خرچ بہت بڑھ گیا اور اس کی وجہ سے بھی جائیداد کی خریداری روکنا پڑی۔ ادھر ان کے بھائیوں نے بھی دیکھا کہ اس جزرس کی درجہ سے اعلیٰ حضرت کے اخراجات میں تنگی ہوجاتی ہے انہوں نے بھی اس اسکیم کو بند کرادیا۔

اس ترکیب سے کافی جائیداد خرید کر دونوں بھائیوں کے نام کی گئی مگر پھر بھی ان دونوں بھائیوں کی آمدنی انفرادی طور پر اعلیٰ حضرت کی آمدنی سے کچھ کم ہی رہی۔ ہمیں تو اعلیٰ حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انہوں نے میرے باپ اور چچا کو زمیندار بنایا اور نہ ہی دونوں پچاس پچاس روپے ماہوار پاتے اور پھر دنیا کی کشمکش میں پڑے رہتے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے اخراجات دیکھتے ہوئے میرے نزدیک علاقے کی تقسیم زیادہ مناسب تھی۔ ایثار کی ایسی کوئی مثال اس دور میں میری نظر سے نہیں گزری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا (اگرچہ وہ اسے پسند نہ فرماتے تھے) ہو کر ساری جائیداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا مگر دنیا میں رہ کر دنیا کے اتنی زبردست ٹھوکر جمانا انہی کا دل گردہ تھا۔ یہ ایثار اس عمر میں کیا جس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزوؤں، ارمانوں اور امنگوں کی رو میں بہتا ہے۔ اس عمر میں اس کو بڑا لالچ ہوتا ہے اور تحصیل زر کے سلسلے میں حلال و حرام کا امتیاز بھی نہیں کیا جاتا۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر شخص کی لیاقت کے مطابق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ہر شخص کے ساتھ اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات چیت فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان حق گو سے نکلنے والا ہر حرف مخاطب کے دل میں اتر جایا کرتا تھا۔ یہ کبھی نہ ہوا تھا کہ آپ ہر کس و ناکس سے بلند درجہ زباں دانی سے گفتگو فرماتے بلکہ عام پڑھے لکھے لوگوں سے ان کی سطح کے مطابق اور بالکل ان پڑھ لوگوں سے ان کی سطح کے موافق گفتگو فرماتے اور اگر کوئی ماہر علم و فن آ جاتا تو پھر دیکھنے والے دیکھتے کہ آپ علم و فن کے ایک بلند پایہ عالم کا روپ اختیار فرما لیتے۔

حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ **کلمو الناس علی قدر عقولهم** لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق بات چیت کرو۔ اگر یہ کہا جائے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس حدیث مبارکہ کی مجسم تصویر تھے اگر کوئی شخص جو تحقیق کا سودا اپنے ذہن میں رکھتا ہو آپ کی حیات مبارکہ پڑھ لے۔ اس کو اس حدیث مبارکہ کی مکمل تفسیر نظر آئے گی۔ پچھلے اوراق میں ایک طالب علم کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس نے آپ کو فقط ایک خط لکھا کہ شرف آفتاب کب ہے۔ آپ نے اس کی حالت کا خود ہی اندازہ فرمایا اور اس کو اپنے خرچ پر تار دے کر مطلع فرمایا۔ وگرنہ اگر دیکھا جائے تو یہ قطعی طور پر آپ کا فرض نہ تھا کہ فقط ایک خط کیلئے اس قدر تردد کیا جاتا۔ مگر اسی تردد کی وجہ آپکی عادت شریفہ تھی کہ کسی کو بھی پریشان نہ دیکھنا اور ہر کسی کی پریشانی میں اس کی مدد کرنا۔

حضرت حسن رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محبّ اللہ خان صاحب قبلہ بہت غریب اور بڑے اکھڑ پٹھان تھے۔ آپ نماز کی بڑی سخت پابندی کرنے والے تھے۔ ان کی رہائش سوداگری محلہ میں تھی۔ وہ کبھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی ملازمت کرتے تھے اور کبھی وہاں سے ناراض ہو کر حلوائی کا خوانچہ لگا لیتے تھے۔ یوں ان کی گزراوقات ہو جاتی تھی۔ وہ ایک مرتبہ نماز ظہر پڑھنے مسجد میں داخل ہوئے اور انہوں نے سنتوں کی نیت کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس وقت وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ دوران وظیفہ دوسرے نمازیوں کی نگرانی فرمایا کرتے تھے کہ وہ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں۔

محبّ اللہ خان صاحب کو اعلیٰ حضرت نے دیکھا کہ وہ رکوع میں سر کو اوپر کی جانب اٹھائے ہوئے قبلہ کو دیکھتے رہتے ہیں جب وہ سلام پھیر چکے تو اعلیٰ حضرت نے ان کو قریب بلوایا اور فرمایا کہ

خان صاحب! آپ یہ بتائیں کہ آپ رکوع میں سر اٹھائے آگے کیوں دیکھتے رہتے ہیں۔

محبّ اللہ خان صاحب تنک کر بولے کہ تو کیا میں رکوع میں کعبہ سے منہ پھیر لوں۔

آپ نے فرمایا کہ (اب یہ جواب کسی بھی بلند منصب کی حامل شخصیت کو دینے کے قابل نہیں ہے۔ لازمی بات ہے کہ اچھے خاصے سرد مزاج آدمی کو اس قدر ترش سوال کا جواب سے طیش آجاتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کی شخصیت ان اوصاف سے مزین تھی کہ آپ فوراً اس شخص کی ذہنی قوت کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ لوگ بھی لازمی بات ہے کہ اس موقع پر اکٹھے ہو چکے ہوں گے ان میں سے چند خان صاحب کی بات پر غور کر رہے ہوں گے کہ واقعی اس طرح تو بندے کا منہ قبلے سے پھر جاتا ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے اس تنک مزاج شخص کے ترش سوال کا جواب کمال عالمانہ انداز میں یوں مرحمت فرمایا کہ)

خان صاحب! سجدہ کیا آپ ٹھوڑی پر کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ پیشانی زمین پر رکھنے سے کعبہ سے منہ پھر جاتا ہے۔

کس قدر مدلل جواب ہے۔ خان صاحب اور دیگر حاضرین اس جواب کو سن کر سناٹے میں آگئے۔ مگر اس کے بعد محبّ اللہ خان صاحب رکوع میں حسب ہدایت پاؤں کی انگلیوں کی طرف نظر رکھتے تھے۔ کبھی انہوں نے منہ اٹھا کر سامنے کی طرف نہ دیکھا۔

یہ مسئلہ انہیں اگر مسئلہ کے طور پر سمجھایا جاتا تو وہ کبھی نہ سمجھ سکتے تھے اور اپنے بنائے ہوئے اصول کو ہرگز نہ چھوڑتے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس انداز نے ان کے خود ساختہ اصول کو درہم برہم کر دیا اور اس معاملے میں ان کے دماغ کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔

اعلیٰ حضرت کی حاضر جوابی خصوصاً ایسے رموز و نکات میں انتہائی حیرت انگیز تھی اور یہ مہارت کسی خاص علم و فن کیساتھ مخصوص نہ تھی۔ ہر علم و فن کی مشکلات فی البدیہہ حل فرما دیتے تھے۔ عموماً کوئی شخص کسی کی زبان سے کوئی بات توجہ سے سنتا ہے تو اس کے دماغ میں ان الفاظ کے معانی آجاتے ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے دماغ میں ان معانی کے ساتھ اس کے جواب کے الفاظ آتے تھے اور وہ بوقت ضرورت باقاعدہ ابجد ان الفاظ کے جو اعداد ہوتے وہ بھی آتے تھے۔ ورنہ فی البدیہہ کسی مسئلہ کا جواب دے دینا ممکن ہی نہیں تھا یا یہ کہ ہر موقع پر آپ کی زبان کسی ملکوتی قوت کے اقتدار میں حرکت کرتی تھی، جہاں سہو و نسیان کا گویا گزر ہی نہیں ہوتا تھا۔

ان کا ہر جواب ایسا ہوتا تھا کہ بڑے غور وخوض کے بعد دیا گیا ہو اسلئے آپکی فی البدیہہ گفتگو پر بھی کبھی کوئی گرفت آج تک نہ ہوسکی۔
لوگ ان کا منہ ہی تکا کرتے۔ان کے زمانے میں کسی صاحب کا علم ایسا عبور سنا بھی نہ گیا ہو ہر علم وفن پر یہاں روز وشب دیکھا گیا۔
ان کی ساری زندگی اسی میں صَرف ہوتی۔مگر اس پوری زندگی میں یہ الفاظ ان کی زبان مبارک سے کسی نہ سنے کہ اس سوال کا
پھر کسی وقت جواب دونگا اور نہ یہ کہ الفاظ جواب میں کبھی کوئی لفظ شک کا استعمال کیا۔مخالفین بھی اس کی اس برتری کے قائل تھے۔
اعلیٰ حضرت کے نامور شاگرد خلیفہ حضرت محدث کچھوچھوی سیّد احمد شرف جیلانی علیہ الرحمۃ نے ایک واقعہ آپکی عادات کے سلسلہ میں
یوں بیان فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کی عادت شریفہ میں غوثِ پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کس درجہ احترام تھا اور اعلیٰ حضرت سرکار غوثِ پاک
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے۔آپ فرماتے ہیں کہ میں اس سرکار میں کس قدر شوخ تھا یا شوخ بنا دیا گیا تھا،
اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی نشست کی چارپائی پر اٹھ کر عرض کرنے لگا کہ حضور! کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا، جن کا علمائے کرام میں
نشان بھی نہیں ملتا۔مسکرا کر فرمایا کہ میرے پاس علم کہاں، جو کسی کو دوں، یہ تو آپکی جدامجد سرکار غوثیت کا فضل وکرم ہے اور کچھ نہیں۔
یہ جواب مجھ ننگ خاندان کیلئے تازیانہ عبرت بھی تھا کہ لوٹنے والے لوٹ کر خزانے والے ہوگئے اور میں پدرم سلطان بود کے نشہ میں
پڑا رہا اور یہ جواب اسکا بھی نشان دیتا ہے کہ علم راسخ والے مقام تواضع میں تیار ہو کر اپنے کو کیا کہتے ہیں۔یہ شوخی میں نے بار بار کی
اور یہی جواب عطا ہوتا رہا اور ہر مرتبہ میں ایسا ہوگیا کہ میرے وجود کے سارے کل پرزے معطل ہوگئے ہیں۔
ایک اور جگہ آپ ایک اور واقعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ
دوسرے روز کار رفقاء پر مجھے لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگوائی، اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ
پڑھ کر دست کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ پڑے۔
سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہوگیا کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے۔
لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے۔سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو یہ دیکھا کہ
تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرّہ زمین پر گر گیا تھا۔اعلیٰ حضرت اس ذرّے کو نوکِ زبان سے اٹھا رہے ہیں اور
پھر نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔اس کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت ومحبت میں ڈوب گئے اور
فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرے کے تبرک ہوجانے میں کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ رہ گئی۔
اب میں نے سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ میں کچھ نہیں، یہ آپ کی جدامجد کا صدقہ ہے، وہ مجھے خاموش کردینے کیلئے ہی نہ تھا
اور نہ صِرف مجھ کو شرم دلانا ہی تھی بلکہ درحقیقت اعلیٰ حضرت، غوثِ پاک کے ہاتھ میں چوں قلم در دوست کاتب تھے،
جس طرح غوث پاک، سرور دو عالم، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ چوں قلم در دوست کاتب میں تھے اور کون نہیں جانتا کہ
رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے کہ قرآن کریم نے فرمادیا......

وما ینطق عن الھوی ان ھوا الاوحئی یوحی

مولانا ظفر الدین بہاری حیاتِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ، صفحہ ۲۰۴ میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بعداز نماز جمعۃ المبارک اعلیٰ حضرت پھاٹک میں تشریف فرما تھے کہ شیخ امام علی قادری رضوی کی قناعت علی، قناعت پکارنے کی آواز آئی۔ اعلیٰ حضرت نے انہیں بلوایا اور فرمایا کہ عزیزم! سیّد صاحب کو اس طرح پکارتے ہیں؟ مولوی نور محمد صاحب نے ندامت سے نظریں جھکالیں۔ آپ نے فرمایا کہ سادات کی تعظیم کا آئندہ خیال رکھئے اور جن عالی گھرانے کے یہ افراد ہیں اس کی عظمت کو ہمیشہ پیش نظر رکھئے۔

اس کے بعد حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سادات کا اس درجہ احترام ملحوظ رکھنا چاہئے کہ قاضی اگر کسی سید پر حد لگائے تو یہ خیال تک نہ کرے کہ اس میں اسے سزا دے رہا ہوں، بلکہ یوں تصوّر کرے کہ شہزادے کے پیروں میں کیچڑ بھر گئی ہے اسے دھو رہا ہوں۔

ایک اور واقعہ مولانا ظفر الدین بہاری حیاتِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے صفحہ ۲۰۳ پر رقم کرتے ہیں کہ

اعلیٰ حضرت کے ہاں دستور تھا کہ میلاد شریف کے موقع پر سیّد حضرات کو آپ کے حکم سے دوگنا حصّہ ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سید محمود جان صاحب کو تقسیم کرنے والے کی غلطی سے اکہرا حصہ ملا۔ اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوا تو فوراً تقسیم کرنے والے کو بلوایا اور اس سے ایک خوان شیرینی کا بھروا کر منگوایا اور پھر معذرت چاہتے ہوئے سید صاحب موصوف کی نذر کیا اور تقسیم کرنے والے کو ہدایت کی کہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ ہو، کیونکہ ہمارا کیا ہے، سب کچھ ان حضرات کے ہی عالی گھرانے کی بھیک ہے۔

موسم سرما میں ایک مرتبہ ننھے میاں صاحب قدس سرہ (اعلیٰ حضرت کے برادر خورد، مولانا محمد رضا خاں صاحب) نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ایک فرد پیش کی۔ اعلیٰ حضرت کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ سردیوں میں رضائیاں تیار کروا کر غربا میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت تک سب رضائیاں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت سے رضائی کی درخواست کی تو آپ نے ننھے میاں صاحب والی وہی رضائی اپنے اوپر سے اتار کر اسے عنایت فرما دی۔ (ایضاً ص ۵۱)

اسی سلسلے میں ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمایئے۔

جناب ذکاء اللہ خان صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا، بعد نماز مغرب اعلیٰ حضرت حسب معمول پھاٹک میں تشریف لاکر سب لوگوں کو رُخصت کررہے تھے۔ خادم کو دیکھ کر فرمایا، آپ کے پاس رضائی نہیں ہے؟ میں خاموش ہورہا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت جو رضائی اوڑھے ہوئے تھے وہ خادم کو دے کر فرمایا کہ اسے اوڑھ لیجئے۔ خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور فرمان مبارک کی تعمیل کرتے ہوئے وہ رضائی اوڑھ لی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص ۵۰)

اسی سلسلے میں مزید ایک واقعہ اور پیش خدمت ہے جو مذکورہ واقعے کے بعد پیش آیا۔

اس واقعے کے دوتین روز بعد اعلیٰ حضرت کے لئے نئی رضائی تیار ہوگئی۔ اسے اوڑھتے ہوئے ابھی چندہی روز گزرے تھے کہ ایک رات مسجد میں کوئی مسافر آیا جس نے اعلیٰ حضرت سے گزارش کی کہ میرے پاس اوڑھنے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ آپ نے وہ نئی رضائی اس مسافر کو عطا فرمادی۔ (ایضاً۔ص ۵۰)

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی سخاوت و غربا پروری گرد و نواح میں مشہور تھی۔ اس بارے میں آپ کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد مدظلہ یوں رقمطراز ہیں۔

کاشانہ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا۔ بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کیلئے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کیلئے نہیں تھی بلکہ بیرونجات میں بذریعہ منی آرڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے۔

(مولانا بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۹۰)

دُور دراز کی امداد کے سلسلے میں ایک عجیب واقعہ پیش خدمت ہے...... ایک دفعہ مدینہ طیبہ سے ایک شخص نے پچاس روپے طلب کئے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پاس اس وقت ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں التجا کی حضور! میں نے کچھ بندگان خدا کے مہینے (ماہوار وظیفے) آپ کی عنایت کے بھروسے پر اپنے ذِمے مقرر کرلئے ہیں۔ اگر کل پچاس روپے کا منی آرڈر کیا گیا تو بروقت ہوائی ڈاک سے پہنچ جائے گا۔ یہ رات آپ نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ علی الصبح ایک سیٹھ صاحب حاضر بارگاہ ہوئے اور مولوی حسنین رضا خان صاحب کے ذریعے مبلغ اکاون روپے بطور نذرانہ عقیدت حاضر خدمت کئے۔ جب مولوی صاحب موصوف نے اکاون روپے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں جاکر پیش کئے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف فرمایا، ارشاد ہوا یہ یقیناً سرکاری عطیہ ہے۔ اسلئے اکاون روپے کے کوئی معنی نہیں سوائے اس کے کہ پچاس بھیجنے کیلئے فیس منی آرڈر بھی تو چاہئے۔ چنانچہ اس وقت منی آرڈر کا فارم بھرا گیا اور ڈاکخانہ کھلتے ہی منی آرڈر روانہ کردیا۔ (مولانا ظفرالدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۵۲)

امام احمد رضا خاں بریلوی کی سخاوت کا یہ سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا ادھر آیا اور ادھر مصارف ضروریہ اور غرباء میں تقسیم ہوگیا۔ بعض اوقات تو حوائج ضروریہ کیلئے ایک پیسہ تک پلے نہیں رہتا تھا، حالانکہ صاحب جائیداد اور خاندانی رئیس تھے۔ سخاوت کی انتہا معلوم کرنے کی غرض سے مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہ کے اولین سوانح نگار اور آپ کے خلیفہ ارشد ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کا حیرت انگیز انکشاف ملاحظہ ہو۔

ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر تقسیم کرتے ہوئے فرمایا کہ کبھی میں نے ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہیں دیا اور یہ بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہوئی تھی۔ زکوٰۃ فرض ہو تو جب ہو کہ مقدار نصاب ان کے پاس سال تمام تک رہے اور یہاں تو یہ حال تھا کہ ایک طرف سے آیا، دوسری طرف گیا۔ (ایضاً ص ۵۳)

امام اہلسنّت نے اس عدیم المثال طریقے پر غرباء پروری کا کام جاری رکھا۔ جو کچھ حاصل ہوا، عمر بھر یتیموں، بیواؤں، اپاہجوں، مسکینوں اور ناداروں پر کیوں لٹاتے رہے ہو۔ حوائج ضروریہ، خدمت و اشاعت دین اور مہمان نوازی کے بعد جو کچھ تھا سب غریبوں کیلئے تھا۔ دم واپسیں بھی آپ نے غریبوں کو فراموش نہیں کیا بلکہ فقراء کے بارے میں اپنے عزیز و اقارب کو یوں وصیت فرماتے ہیں...... فاتحہ کے کھانے سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے۔ صرف فقراء کو دیں اور وہ بھی اعزاز اور ع خاطر داری کے ساتھ نہ جھڑک کر، غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔ اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فرینی، اردکی پھریری دال مع ادرک و لوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف اور اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے تو یوں کر دیا کرو جیسے مناسب جانو مگر، بطیب خاطر، میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔

(مولانا حسنین رضا خاں وصایا شریف، مطبوعہ لاہور، ص ۱۱)

ایک وہ نام نہاد مصلح، پیر اور عالم دین ہیں جن کی نگاہیں دوسروں کی جیبوں پر ہوتی ہیں اور ایک اعلیٰ حضرت ہیں کہ عمر بھر غریبوں کی سرپرستی کرتے رہے اور آخری وقت بھی اپنے گھر سے اتنے لذیذ اور بیش قیمت کھانے غریبوں کو کھلاتے رہنے کی وصیت فرما رہے ہیں۔ یہ ہے غرباء و مساکین سے ہمدردی کا حقیقی جذبہ اور یہ ہے لن تنالو لبر حتی تنفقو مما تحبون پر عمل کر کے دکھانا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی جاتی ہے کہ میرے کہنے پر مجبور نہ ہونا بلکہ غریبوں کا حق سمجھ کر انہیں کھلانا پلانا، ساتھ ہی انہیں حقیر سمجھ کر جھڑکنا نہیں بلکہ مہمانوں کی طرح خاطر داری اور اعزاز و اکرام کے ساتھ کھلانا چاہئے۔

جس کو غم جہاں میں بھی یاد رہے غم بیکساں
میرے طرف سے ہمنشین جا کر اسے سلام دے

اسلامی مساوات

مسلمان سب بھائی بھائی ہیں سب برابر ہیں۔ غریب اور امیر میں گورے اور کالے میں، بادشاہ اور فقیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہاں محمود اور ایاز سب برابر ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے سب یکساں ہیں، ہاں عزت وفضیلت کا معیار باری تعالیٰ کی نظر میں ان الکرمکم عند اللہ اتقکم ہے۔ یعنی جو خدا سے بہت ہی ڈرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے۔ اس کے برعکس غربت وامارت یا افسری وماتحتی کے لحاظ سے ذلت یا عزت کا معیار قائم کرنا سراسر غلط اور لغو ہے۔ شعب وقبائل کا فرق صرف پہچان کیلئے ہے اور امیر وغریب، شاہ وگدا کا امتیاز تنظیم کاروبار جہاں کی خاطر حکمت الٰہیہ ہے۔ ایک مزدور اگر متقی ہے تو اللہ کے نزدیک فاسق حکمران سے زیادہ عزت والا ہے۔ اسی طرح ایک نیکوکار غریب ومسکین آدمی اس مالدار سے بہتر ہے جو بدکار یا بے راہرو ہو۔ جو دولت، امارت، عہدہ یا علم کی بدولت خود کو دوسروں پر ترجیح دے۔ اپنے آپ کو اوروں سے بالا سمجھے دوسروں کو اپنے سے گھٹیا جانے وہ اسلامی اخوت ومساوات سے ناآشنا ہو اور متکبر ہے۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے:۔

لا تزکوا انفسکم اھل اللہ یزکی من یشاء

یعنی تم خود کو پاکباز مت ٹھہراؤ جبکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکباز بناتا ہے۔

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل یہ تھا:

ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے کہ ان کے محلے کا ایک بیچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر جو صحن کے کنارے پر پڑی تھی، جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں۔

کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے۔ حضور نے اپنی چارپائی پر جگہ دی وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام حضور کا خط بنانے کیلئے آئے۔ وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش! کھڑے کیوں ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر تو ان صاحب کے غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فوراً اٹھ کر چلے گئے، پھر کبھی نہ آئے۔ خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود یہ فرمایا، میں بھی ایسے متکبر مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔ (مولانا ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۴۰)

1295ھ 1878ء میں جب آپ کے والدین کریمین کے ساتھ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مطہرہ کے شرف سے مشرف ہوئے تو واپسی میں بوقت طوفان اسی یقین کا عجیب منظر سامنے آیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

پہلی بار کی حاضری والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے ہمراہ رکاب تھی۔ اس وقت مجھے تیسواں سال تھا۔ واپسی میں تین دن طوفان شدید رہا تھا۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر، ان کی تسکین کیلئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی، جس حدیث میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے، میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی، لہٰذا حدیث کے وعدہ صادقہ پر مطمئن تھا۔ پھر قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی من یتال علی اللہ یکذبہ حضرت عزت کی طرف رجوع کی اور پھر سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی۔ الحمد للہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے شدت سے چل رہی تھی وہ گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی۔ (مولانا مصطفیٰ رضا خان، ملفوظات اعلیٰ حضرت، ج ۲، ص ۳،۲)

اسی سلسلے میں ایک سبق آموز واقعہ امام اہلسنّت کے معمولات سے اور ملاحظہ فرمایئے۔ یہ واقعہ علامہ ملک العلماء ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کے سامنے پیش آیا، نوبت کہاں تک پہنچی اعلیٰ حضرت کے لفظوں میں ملاحظہ فرمایئے۔

اسی دن مسوڑھوں میں ورم ہوگیا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اتارتا تھا اور اسی پر اکتفا کرتا، بات بالکل نہ کرسکتا تھا یہاں تک کہ قرات سریہ بھی میسر نہ تھی۔ سنتوں میں بھی کسی کی اقتدا کرتا۔ اسوقت مذہب حنفی میں عدم جواز قرات خلف الامام کا یہ نفیس فائدہ مشاہدہ ہوا۔ جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا، لکھ دیتا، بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں۔ میرے منجھلے بھائی (یعنی مولانا حسن رضا خاں) ایک طبیب کو لائے، ان دنوں بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا۔ ان صاحب نے بغور دیکھ کر ساتھ آٹھ مرتبہ کہا، یہ وہی ہے، وہی ہے۔ یعنی طاعون، میں بالکل کلام نہ کرسکتا تھا، اس لئے انہیں جواب نہ دے سکا حالانکہ میں خوب جانتا تھا، یہ غلط کہہ رہے ہیں کہ مجھے طاعون ہے اور نہ اِن شاءَ اللہ العزیز کبھی ہوگا، اس لئے میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے۔ جسے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا، اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ط

جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا الحمدللہ کہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ البتہ ایک بار اسے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوب چشم ہوجایا کرتا تھا، بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ 19 سال کی عمر ہوگئی اور رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو درد چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی، جب سے اب تک آشوب چشم پھر نہیں ہوا۔ اسی زمانہ میں صرف دو مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آنکھ کچھ دبتی معلوم ہوئی، دو چار دن بعد وہ صاف ہوگئی۔ دوسری دبی وہ بھی صاف ہوگئی مگر درد، کھٹک، سرخی کوئی تکلیف اصلاً کسی قسم کی نہیں۔ افسوس اسلئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث ہے: تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو۔ زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کھجلی (خارش) کہ اس سے امراض جلدیہ جزام وغیرہ کا انسداد ہوتا ہے۔ آشوب چشم نابینائی کو دفع کرتا ہے۔ (مولانا ظفرالدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۹۱، ۹۲)

اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی پر امام اہلسنّت قدس سرہ کو کس درجہ یقین تھا، اس سلسلے میں بعض واقعات ملاحظہ فرمایئے۔ ایک ایمان افروز واقعہ اور پیش خدمت ہے...... جمادی الاولیٰ 1300 میں بعض مہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ باریک خط کی کتابیں شبانہ روز علی الاتصال دیکھنا ہوا۔ گرمی کا موسم تھا دن کو اندر کے دالان میں کتاب دیکھتا اور لکھتا۔ اٹھائیسواں سال تھا، آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک روز شدت گرمی کے باعث دوپہر کو لکھتے لکھتے نہایا، سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز داہنی آنکھ میں اتر آئی۔ بائیں آنکھ بند کر کے داہنی سے دیکھا تو اوسط شی مرئی میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا، اس کے نیچے شی کا جتنا حصہ ہوا وہ ناصاف اور دبا ہوا معلوم ہوتا۔ یہاں ایک ڈاکٹر اس زمانہ میں علاج چشم میں بہت سر برآوردہ تھا، سینڈرسن یا انڈرسن کچھ ایسا ہی نام تھا۔ میرے استاد جناب مرزا غلام قادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصرار فرمایا کہ اسے آنکھ دکھائی جائے، علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ ڈاکٹر نے اندھیرے کمرے میں صرف آنکھ پر روشنی ڈال کر آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا کہ کثرت کتاب بینی سے کچھ یبوست آگئی ہے، پندرہ دن تک کتاب نہ دیکھئے۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے، فرمایا: مقدمہ نزول آب ہے۔ بیس برس بعد (خدانا کردہ) پانی اتر آئے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزول آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر مطمئن ہوگیا۔

1316ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر ہوا۔ کہا چار برس بعد (خدانخواستہ) پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب سے بالکل موافق آیا۔ انہوں نے بیس برس بعد کہے تھے، انہوں نے سولہ برس بعد چار برس کہے۔ مجھے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمدللہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ بھر نہ بڑھا، نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ میں نے کتب بینی میں کبھی کمی کی، نہ کمی کروں۔ میں نے اس لئے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے۔ (مولانا ظفرالدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۹۶، ۹۳)

مسلمان کرنا

عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ جب کوئی غیر مسلم اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اسے کسی عالم دین کے پاس لے جایا جاتا ہے، اس میں کئی گھنٹے صَرف ہو جاتے ہیں حالانکہ جو مسلمان بھی کسی غیر مسلم کے ایسے ارادے پر مطلع ہو اس پر فرض ہے کہ اسی وقت اسے کلمہ شہادت پڑھا دے اور اگر ہو سکے تو اتنا کہلوا دے کہ اللہ ایک ہے اور عبادت کے لائق صِرف اسی کی ذات ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں۔ اس کے بعد کسی عالم دین کے پاس لے جا کر اعلان عام کے ساتھ مسلمان کراوئے۔ امام اہلسنّت کی زندگی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

جناب سیّد ابو علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ ایک روز ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنے ہمراہ لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ کلمہ پڑھوا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ حضور نے بلا تاخیر و تساہل...... غیر مسلم کو پڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ تلقین فرمائے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں، میں ان پر ایمان لایا۔ میرا دین مسلمان کا دین ہے۔ اس کے سوا جتنے معبود ہیں سب جھوٹے ہیں، اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں ہے۔ جلانے والا ایک اللہ ہے۔ مارنے والا ایک اللہ ہے۔ پانی برسانے والا ایک اللہ ہے۔ روزی دینے والا ایک اللہ ہے۔ سچا دین ایک اسلام ہے اور جتنے دین ہیں سب جھوٹے ہیں۔

اس کے بعد مقراض (قینچی) سے سر کی چوٹی کاٹی اور کٹورے میں پانی منگوا کر تھوڑا سا خود پیا، باقی اسے دیا اور اس سے جو بچا وہ حاضرین مسلمانوں نے تھوڑا تھوڑا پیا۔ اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ بعدہ جو صاحب لے کر آئے تھے انہیں فہمائش کی کہ جس وقت کوئی اسلام میں آنے کو کہے، فوراً کلمہ پڑھا دینا چاہے کہ اگر کچھ بھی دیر کی تو گویا اتنی دیر اس کیلئے کفر پر رہنے کی معاذ اللہ رضامندی ہے۔ آپ کو کلمہ پڑھوا دینا چاہئے تھا۔ اس کے بعد یہاں لاتے یا اور کہیں لے جاتے۔ ان سب نے یہ سن کر دست بستہ عرض کیا کہ حضور! مجھے یہ بات معلوم نہ تھی۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، اللہ معاف کرے۔ کلمہ پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کلمہ پڑھا اور سلام کر کے چلے گئے۔ (مولانا ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۲۰، ۲۲۱)

اخلاقی جلالی

خود ساختہ تہذیب کے علمبردار اور صلح کلیت کے پجاریوں نے جس چیز کا نام تہذیب اور اخلاق حسنہ رکھا ہوا ہے کہ خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گستاخوں اور مسلمانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے، سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کیا جائے کیونکہ سب مسلمان ہیں اور سارے بھائی بھائی ہیں۔ یہ ایسے حضرات کے نزدیک خواہ کتنا ہی قابل تعریف طرز عمل ہو لیکن اسلامی تہذیب ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ طریق کار الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے خلاف ہے۔ آیئے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کا اخلاق ملاحظہ ہو۔

آپ کی ذات الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دشمن کو اپنا دشمن جانتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے۔ خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ جس سے ایک بار کلام فرمایا اس کے دل کو گرویدہ بنالیا۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی۔ ہمیشہ حلم سے کام لیا، لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت ننھے میاں مولانا محمد رضا نے عصر کے بعد آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حیدرآباد دکن سے ایک رافضی صرف آپ کی زیارت کیلئے آیا ہے اور ابھی حاضر خدمت ہوگا۔ تالیف قلب کیلئے اس سے بات چیت کرلیجئے گا۔ دورانِ گفتگو ہی وہ رافضی بھی آگیا۔ حاضری مجلس کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ننھے میاں صاحب نے اس کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا۔ اعلیٰ حضرت کے گفتگو نہ فرمانے سے اس کو بھی کچھ بولنے کی جرات نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ننھے میاں نے اعلیٰ حضرت کو سناتے ہوئے کہا کہ اتنی دور سے وہ صرف ملاقات کیلئے آیا تھا، اخلاقاً توجہ فرمالینے میں کیا حرج تھا؟ حضرت اعلیٰ حضرت نے جلال کی حالت میں ارشاد فرمایا کہ میرے اکابر پیشواؤں نے مجھے یہی اخلاق بتایا ہے۔ پھر آپ نے بیان فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف سے تشریف لا رہے ہیں۔ راہ میں ایک مسافر ملتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ میں بھوکا ہوں۔ آپ ساتھ چلنے کا اشارہ فرماتے ہیں۔ وہ پیچھے پیچھے کاشانہ اقدس تک پہنچتا ہے۔

امیر المؤمنین خادم کو کھانا لانے کے لئے حکم دیتے ہیں۔ خادم کھانا لاتا ہے اور دستر خوان بچھا کر سامنے رکھتا ہے۔ کھانا کھانے میں وہ مسافر بدمذہبی کے کچھ الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ امیر المؤمنین خادم کو حکم فرماتے ہیں کہ کھانا اس کے سامنے سے فوراً اٹھاؤ اور اس کا کان پکڑ کر باہر کردو۔ خادم اسی دم حکم بجالاتا ہے۔ خود حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف سے نام لے لے کر منافقین کو نکلوادیا، اخرج یا فلان فانك منافق اے فلاں مسجد سے نکل جا، اس لئے کہ تو منافق ہے۔ (مولانا بدرالدین، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۹۳، ۹۴)

سونے کا انداز

شرابِ محبت سے مخمور رہنے والوں کے طور طریقے دوسروں سے کچھ نرالے ہی ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے سونے کا طریقہ علامہ بدرالدین احمد صاحب نے یوں رقم فرمایا ہے۔

آپ کے خادم کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت 24 گھنٹے میں صِرف ڈیڑھ دو گھنٹے آرام فرماتے اور باقی تمام وقت تصنیف و کتب بینی اور دیگر خدمات دینیہ میں صَرف فرماتے اور ہمیشہ بشکل نام اقدس محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سویا کرتے۔ اس طرح کہ دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھتے اور پاؤں سمیٹ لیتے۔ گویا نام پاک محمد کا نقشہ بن جاتا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

علامہ محمد برنسیم بستوری نے اس سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے۔

جب آپ آرام فرماتے تو داہنی کروٹ، اس طرح پر کو دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھ لیتے اور پائے مبارک سمیٹ لیتے، کبھی کبھی خدام ہاتھ پاؤں دبانے بیٹھ جاتے اور عرض کرتے، حضرت! دن بھر کام کرتے کرتے تھک گئے ہوں گے ذرا پائے مبارک دراز فرمالیں تو ہم درد نکال دیں۔ اس کے جواب میں فرماتے کہ پاؤں تو قبر کے اندر پھیلیں گے۔ ایک عرصہ تک آپ کے اس ہیئت پر آرام فرمانے کا مقصد معلوم نہیں ہوا اور نہ آپ سے پوچھنے کی کوئی ہمّت ہی کرسکتا۔ (مولانا محمد صابر نسیم بستوی، مجدد اسلام، ص ۸۶، ۸۷)

آخر کار امام اہلسنّت قدس سرہ کے اس طرح سونے کا راز اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ظاہر فرمایا کہ سوتے وقت یہ فنافی الرسول اپنے جسم کو اس طرح ترکیب دے کر سوتے ہیں کہ لفظ محمّد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بن جاتا ہے۔ اگر اسی حالت میں پیغام اجل آجائے تو زہے نصیب ورنہ دوسرا فائدہ تو حاصل، و ھو ھذا،

اسطرح سونے سے فائدہ یہ ہے کہ ستر ہزار فرشتے رات بھر اس نام مبارک کے گردُ رود شریف پڑھتے ہیں اور وہ اس طرح سونے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ (ایضاً۔ ص ۸۷)

سوتے وقت جب آپ دونوں ہاتھوں کو ملا کر سر کے نیچے رکھتے تو انگلیوں کا انداز عجیب ہوتا۔ انگوٹھے کو انگشت شہادت کے وسط پر رکھتے اور باقی انگلیاں اپنی اصلی حالت میں رہتیں۔ اس طرح انگلیوں سے لفظ اللّٰہ بن جاتا۔ گویا سوتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اللّٰہ اور جسم سے محمّد لکھ کر سوتے۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے آپ کی ان والہانہ اداؤں کے پیش نظر ہی تو کہا تھا کہ

نام خدا ہے ہاتھ میں، نام نبی ہے ذات میں
مہر غلامی ہے پڑی، لکھے ہوئے ہیں نام دو

چاندی کی کرسی

ریاست رام پور میں اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا، جو اس طرح منقول ہے۔

چنانچہ نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حضور اپنے خسر جناب شیخ تفضل حسین کے ہمراہ رام پور تشریف لے گئے۔ جس وقت آپ نواب کے یہاں پہنچے اور نواب صاحب نے آپ کی زیارت کی تو بہت متعجب ہوئے۔ لیکن آپ کے علمی جاہ وجلال کے قائل ہو چکے تھے، اس لئے آپ کے انتہائی اعزاز و اکرام میں چاندی کی کرسی پیش کی۔ آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ مرد کیلئے چاندی کا استعمال حرام ہے، اس جواب سے نواب صاحب کچھ خفیف ہوئے اور آپ کو اپنے پلنگ پر جگہ دی اور آپ سے غایت لطف ومحبت سے باتیں کرنے لگے۔ (مولانا محمد صابر نسیم بستوی، مجدد اسلام، ص ۳۵)

نواب صاحب کس طرح اعلیٰ حضرت کے علمی جاہ وجلال کے قائل ہوئے اور کیوں آپ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا؟ اس کا سبب ایک فتویٰ ہے۔ اس فتوے کا واقعہ اس طرح منقول ہے...... حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب کا نام سن کر ایک صاحب رام پور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ پیش کیا، جس پر بہت سے علمائے کرام کی مہریں اور دستخط تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ کمرے میں مولوی صاحب ہیں، ان کو دے دیجئے جواب لکھ دیں گے۔ وہ صاحب کمرے میں گئے اور واپس آ کر عرض کیا کہ کمرے میں مولوی صاحب نہیں ہیں۔ فقط ایک صاحبزادے ہیں۔ حضرت نے فرمایا، انہیں کو دے دیجئے، وہ لکھ دیں گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! میں تو آپ کا شہرہ سن کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آج کل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں، انہیں کو دے دیجئے۔ بالآخر ان صاحب نے اعلیٰ حضرت کو فتویٰ دے دیا۔

حضور نے جو اس فتویٰ کو ملاحظہ فرمایا تو جواب درست نہ تھا۔ آپ نے اس جواب کے خلاف جو بات حق تھی لکھ کر والد ماجد صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اس کی تصدیق فرما دی۔ وہ صاحب اس فتویٰ کو لے کر رام پور پہنچے اور نواب رام پور نے اسے از اوّل تا آخر دیکھا، تو مجیب اول مولانا ارشاد حسین صاحب کو بلایا۔ آپ تشریف لائے تو وہ فتویٰ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا نے حق گوئی وصدق پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں وہی جواب صحیح ہے جو بریلی شریف سے آیا ہے۔

نواب صاحب نے کہا، پھر اتنے علماء نے آپ کے جواب کی تصدیق کس طرح کر دی؟ مولانا نے فرمایا کہ تصدیق کرنے والے حضرات نے مجھ پر میری شہرت کی وجہ سے اعتماد کیا ورنہ حق وہی ہے جو انہوں نے لکھا ہے۔ اس واقعہ سے پھر یہ معلوم کر کے اعلیٰ حضرت کی عمر انیس بیس سال کی ہے، نواب صاحب متحیر رہ گئے اور ان کو آپ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ (مولانا محمد صابر نسیم بستوی، مجدد اسلام، ص ۳۴، ۳۵)

یہ واقعہ حیات اعلیٰ حضرت کے صفحہ 133 پر بھی مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم سے منقول ہے۔ لیکن معلوم نہیں مفتی صاحب نے کس مصلحت کے تحت اس وقت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی عمر کا چودھواں سال بتایا، حالانکہ اس وقت آپ کی عمر کم از کم انیس بیس سال تھی جیسا کہ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ نے صفحہ 135,134 پر تصریح فرمائی ہے۔ یہ واقعہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی شادی کے بعد پیش آیا کیونکہ اعلیٰ حضرت کو انکے خسر صاحب کے ذریعے بلوایا گیا تھا۔ آپکی شادی 1291ھ 1885ء میں ہوئی اور اس وقت آپ کی عمر انیس سال تھی۔ چاندی کی کرسی پیش کرنے کا مفتی اعجاز ولی خاں صاحب نے بھی اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔

داھنا ھاتھ

اکثر حضرات داہنے اور بائیں ہاتھ کے کاموں کا فرق ملحوظ نہیں رکھتے، امام اہلسنّت نے اس بارے میں عملی طور پر مسلمانوں کو ان کا دائرہ کار بتایا، چنانچہ اس سلسلے میں منقول ہے:۔

ناک صاف کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا آپ کے ہر کام کی ابتداء سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ چنانچہ عمامہ مبارک کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا۔ اس کے پیچ سیدھی (دائیں) جانب ہوتے اور اس کی بندش اسی طور پر ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں بندش اور داہنا دست مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا۔ (مولانا محمد صابر نسیم بستوی، مجدد اسلام، ص ۸۹)

اس سلسلے میں علامہ بدرالدین احمد صاحب نے اعلیٰ حضرت کے طرز عمل کی یوں وضاحت فرمائی ہے:۔

اگر کسی کو چیز دیتے اور وہ بایاں ہاتھ بڑھاتا تو فوراً دست مبارک روک لیتے اور فرماتے کہ داہنے ہاتھ میں لو، بائیں ہاتھ میں شیطان لیتا ہے۔ بسم اللہ شریف کا عدد 786 لکھنے کا عام دستور یہ ہے کہ پہلے 7 لکھتے ہیں پھر 8، اس کے بعد 6 لکھتے ہیں لیکن آپ پہلے 6 تب 7 تحریر فرماتے یعنی اعداد کو بھی داہنی جانب سے لکھتے۔ (مولانا بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۹۲)

بعض مبارک عادتیں

کہنا تو بہت آسان ہے لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا اور مستحسن عادات واطوار کا خوگر بننا خدا کے برگزیدہ بندوں ہی سے مخصوص ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بعض عادتیں ملاحظہ ہوں۔

بشکل نام اقدس (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) استراحت فرمانا، ٹھٹھانہ لگانا، جمائی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لینا اور کوئی آواز نہ ہونا، کلی کرتے وقت دست چپ ریش مبارک پر رکھ کر، خمیدہ سر ہو کر پانی منہ سے گرانا، قبلہ کی طرف رُخ کر کے کبھی نہ تھوکنا، نہ قبلہ کی طرف پائے مبارک دراز کرنا، نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرنا، فرض نماز باعمامہ پڑھنا، بغیر صوف پڑی دوات سے نفرت کرنا، یونہی لوہے کے قلم سے اجتناب کرنا، خط بنواتے وقت اپنا کنگھا شیشہ استعمال فرمانا، مسواک کرنا، سر مبارک میں پھلیل ڈلوانا۔ (مولانا ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۸)

مشاغل

آج تو علمائے کرام کی زندگیوں میں بھی رنگینی پیدا ہوگئی۔ بعض تو ایسے بھی ہیں جنہیں درس و تدریس اور خطابت کے بعد تقریر فروشی سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ساری زندگی میں ایک دو کتابیں لکھ جائیں۔ امام اہلسنّت کے مشاغل ملاحظہ ہوں، کیا آپ کے ہاں تقریر یا فتویٰ یا تعویذ فروشی پھٹکی بھی تھی؟ دن رات ان کا مشغلہ تصنیف و تالیف، فتویٰ نویسی اور خدمت دین تھا اور یہ سب کچھ بوجہ اللہ تھا۔ علامہ بدرالدین احمد نے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کے مشاغل کا تذکرہ یوں کیا ہے:۔

تصنیف و تالیف، کتب بینی، فتویٰ نویسی اور اَوراد و اشغال کے خیال سے خلوت میں تشریف رکھتے، پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں حاضر ہوتے اور ہمیشہ باجماعت نماز ادا فرمایا کرتے اور باوجود کہ بے حد حار مزاج تھے مگر کیسی گرمی کیوں نہ ہو ہمیشہ عمامہ اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، خصوصاً فرض تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے کے ساتھ ادا نہ کیا۔ (مولانا بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۹۱، ۹۲)

غذا

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ ایک طرف تو ہمہ وقت تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی و کتب بینی میں مشغول رہتے اور دوسری طرف ضعیف الجثہ تھے، یہی وجہ ہے کہ صاحب حیثیت اور رئیس ہونے کے باوجود آپ کی خوراک محض اتنی تھی جو صرف زندہ رہنے کے لئے بمشکل کافی ہو سکے۔ مثلاً آپ کی غذا نہایت ہی قلیل تھی۔ ایک پیالی بکری کے گوشت کا شوربا بغیر مرچ کے اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ اور وہ بھی روز روز نہیں بلکہ بسا اوقات اس میں بھی ناغہ ہو جاتا تھا۔ (مولانا محمد صابر نسیم بستوی، مجدد اسلام، ص ۹۶)

علاوہ ازیں ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپکی عام غذا کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی عام غذا روٹی، چکی کے پسے ہوئے آٹے کی اور بکری کا قورمہ تھا۔ (مولانا ظفرالدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۹۰)

ملفوظات شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خوراک ایک چپاتی تھی، اسی طرح ایک دو بسکٹ اور ایک پیالی شوربا برائے نام خوراک ہی تو ہے، اس پر بھی ناغوں کا طرہ، رمضان المبارک کے مقدّس مہینے کی غذا ملاحظہ ہو:۔

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت بعد اِفطار پان نوش فرماتے، شام کو کھانا کھاتے میں نے کسی دن نہیں دیکھا۔ سحر کو صرف ایک چھوٹے سے پیالے میں فرینی اور ایک پیالی میں چٹنی آیا کرتی تھی، وہ نوش فرمایا کرتے۔ ایک دن میں نے دریافت کیا کہ حضور! فرینی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا، نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنّت ہے اس لئے یہ چٹنی آتی ہے۔ (مولانا ظفرالدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۴۱)

علامہ بدرالدین احمد لکھتے ہیں:۔

آج دنیا میں مشرکین و کفار، مرتدین اشرار، گمراہان فجار کا کوئی بھی ایسا فرقہ نہیں ہے جس کے رد میں اعلیٰ حضرت کی متعدد تصنیفات نہ ہوں۔ بدمذہبوں کی جس قدر فتنہ گر پارٹیاں ہیں ان سب کے خود ساختہ اصول اور باطل اعتقادات کو انہیں کے مسلمات انہیں کے گھڑے ہوئے قواعد سے، اس طرح توڑ پھوڑ کر کے ان کے دھوئیں اُڑا دیئے ہیں کہ تلاش وجستجو کے بعد ان کا کوئی ایک ذرہ سلامت نہیں ملتا۔ (ایضاً۔ص ۱۱۳،۱۱۴)

محبوب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں جن لوگوں نے عالمان دین کا لبادہ اوڑھ کر ایسے ایسے گزرے اور نازیبا الفاظ استعمال کیے جن کی کبھی کافروں، غیر مسلمانوں کو بھی جرات نہیں ہوئی تھی تو اس علمبردار شان مصطفوی نے ازراہ خیر خواہی مسلمانوں کو یوں سمجھایا اور ان لفظوں میں ان علماء کے شر سے بچنے کی تلقین کی:۔

للہ انصاف! اگر کوئی تمہارے ماں باپ، استاد پیر کو گالیاں دے اور نہ صرف زبانی بلکہ لکھ لکھ کر چھاپے، شائع کرے، تو کیا تم اس کا ساتھ دو گے؟ اس کی بات بنانے کو تاویلیں گھڑو گے؟ اس کے بکنے سے بے پرواہی کر کے اس سے بدستور صاف رہو گے؟ نہیں، اگر تم میں غیرت ایمانی، انسانی حمیت، ماں باپ کی عزت، حرمت، عظمت، محبت کا نام ونشان بھی لگا رہ گیا ہے تو اس بدگو، دشنامی کی صورت سے نفرت کرو گے، اس کے سایہ سے دُور بھاگو گے، اس کا نام سن کر غیظ لاؤ گے، جو اس کیلئے بناوٹیں گھڑے اس کے بھی دشمن ہو جاؤ گے۔ پھر خدا کیلئے ماں باپ کو ایک پلے میں رکھو اور اللہ واحد قہار و محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کو دوسرے پلے میں، اگر مسلمان ہو، تو ماں باپ کی عزت کو اللہ ورسول کی عزت سے نسبت نہ مانو گے۔ ماں باپ کی محبت و حمایت کو اللہ ورسول کی محبت وخدمت کے آگے ناچیز جانو گے۔ تو واجب واجب واجب، لاکھ لاکھ واجب سے بڑھ کر واجب کہ ان کے بدگو سے وہ نفرت و دوری وغیظ وجدائی ہو کہ ماں باپ کے دشنام دہندہ کے ساتھ اس کا ہزارواں حصہ نہ ہو۔ (امام احمد رضا خاں، تمہید ایمان بآیات قرآن، ص ۱۷)

اس خیر خواہ اسلام و مسلمین نے بھولے بھالے مسلمانوں کو ان لوگوں کے شرف سے بچنے، ان علماء سے دور ونفور رہنے کی ان لفظوں میں تلقین فرمائی جو اللہ اور رسول کی جناب میں گستاخی تھے۔

ابھی قرآن وحدیث ارشاد فرماچکے کہ ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم، تو اسکی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو۔ جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرے۔ اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، انکی محبت کا نام ونشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے، دوستی الفت کا پاس کرو، نہ ان کی مولویت مشیخت بزرگی فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا، جب یہ شخص انہیں کی شان میں گستاخ ہوا، پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟ اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں؟ کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے، عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام کے علم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بہتیرے پادری، بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی، اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی، یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا، یا اسے برا کہنے پر برا مانا، یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی، یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی، تو للہ، اب تمہیں انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے؟ قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئے؟ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو کی وقعت کر سکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاد ہی کیوں نہ ہو۔ کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں گے وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا۔ اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو۔ (امام احمد رضا خاں، تمہید ایمان بآیات قرآن، ص ۵، ۶)

قرآنی آیات پیش کر کے خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی عظمت کا تصوّر دلا کر، ایمان کے تقاضے سمجھا کر گستاخوں کے بارے میں مسلمانوں کو مزید یوں فہمائش کی جاتی ہے:۔

اس آیت کریم میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ یا رسول کی جانب سے گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کریگا، جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ پھر اس کا حکم قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنایا یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے، اس کی وقعت نہیں مان سکتے، ورنہ مسلمان نہ رہو گے۔ (ایضاً، ص ۶)

امام اہلسنت مجدد دین وملت کی آخری محفل ہے۔ سفر آخرت کی تیاری ہو رہی ہے۔ عقیدت مند ملک کے کونے کونے سے عیادت کیلئے پہنچ رہے ہیں، اس موقع پر بھی مسلمانوں کو ذیاب فی ثیاب کا بہروپ بھرنے والوں، رہبروں کے روپ میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے والوں سے یوں آخری بار خبردار کیا جاتا ہے:۔

اے لوگو! تم پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں، تمہیں فتنہ میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو اور دُور بھاگو، دیوبندی، رافضی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی یہ سب فرقے بھیڑیئے ہیں، تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں، ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربّ العزت جل جلالہ کے نور ہیں، حضور سے صحابہ کرام روشن ہوئے، صحابہ کرام سے تابعین عظام روشن ہوئے، تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے، ان سے آئمہ مجتہدین روشن ہوئے، ان سے ہم روشن ہوئے، اب ہم تم سے کہتے ہیں، یہ نور ہم سے لے لو۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو۔ وہ نور یہ ہے کہ اللہ ورسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت، جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔

میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت کیلئے کسی بندے کو کھڑا کردے گا مگر نہیں معلوم میرے بعد جو آئے وہ کیا ہو اور تمہیں کیا بتائے؟ اس لئے ان باتوں کو خوب سن لو، حجۃ اللہ قائم ہو چکی۔ اب میں قبر سے اٹھ کر تمہارے پاس بتانے نہ آؤں گا۔ جس نے اسے سنا اور مانا، قیامت کے دن اس کیلئے نور ونجات ہے اور جس نے نہ مانا، اس کیلئے ظلمت وہلاکت ہے۔ (مولانا حسنین رضا خاں، وصایا شریف، مطبوعہ لاہور)

سرتاج الاولیاء

غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ﴿470ھ ...... 561ھ﴾

سرتاج الاولیاء حضور غوث اعظم سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اقلیم ولایت کے تاجدار ہیں۔ خانوادہ سادات کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی ولادت گیلان میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں آپ کے والد بزرگوار وصال فرما گئے۔ پھر آپ نے اپنے نانا سیّد عبداللہ صومعی علیہ الرحمۃ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ گھر پر علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں آپ بغداد شریف تشریف لائے اور اس وقت کے جلیل القدر اساتذہ سے سماع حدیث فرما کر علوم کی تکمیل فرمائی۔ آپ کو بیعت و خلافت کا شرف حضرت شیخ ابوسعید مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل تھا۔ آپ کے فضائل کا احاطہ طاقت بشری سے بالاتر ہے۔ آپ کے اخلاق حسنہ اور فضائل حمیدہ کی تعریف میں اولیاء اللہ کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔

سیرت و کردار کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے۔ اپنے تو اپنے غیر مسلم بھی آپ کے حسن سلوک کے گرویدہ تھے۔ آپ مجسمہ ایثار و سخاوت اور اعلیٰ اوصاف کے پیکر تھے۔ سلسلہ قادریہ آپ کے نام سے منسوب ہے۔ آپ سے لاتعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ مجاہدات و ریاضات اور مواعظ حسنہ کے علاوہ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ متعدد تالیفات آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کا مزار بغداد شریف (عراق) میں ہے۔

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند قاری محمد امانت رسول قادری تحریر فرماتے ہیں:۔

مجمع السلاسل عارف باللہ حضرت مولانا شاہ خواجہ احمد حسین صاحب نقشبندی مجددی امروہوی کو سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اشارہ ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں سے ملاقات کیجئے لہٰذا حضرت خواجہ احمد حسین صاحب 24 رمضان ذیشان 1331ھ میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہ القوی کی ملاقات کیلئے پہنچے، مغرب کا وقت تھا، جماعت قائم ہو چکی تھی، نماز مغرب کی پہلی رکعت تھی، اعلیٰ حضرت امامت فرما رہے تھے۔ شاہ صاحب بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔ نماز مغرب کے قعدہ اخیرہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو حضور پُرنور سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے القا فرمایا کہ خواجہ احمد حسین حاضر ہیں ان کو اجازت نامہ عطا کر دیجئے۔ اعلیٰ حضرت نے سلام پھیرتے ہی اپنے سر کا عمامہ اتار کر خواجہ احمد حسین شاہ صاحب کے سر پر رکھ دیا اور احادیث و اعمال و اشغال اور سلاسل کی اجازت نامہ عطا فرمائی نیز فی البدیہہ تاج الفیوض (1331) کا لقب بھی عطا فرمایا جس سے سن 1331ھ نکلتا ہے خواجہ احمد حسین صاحب نے عرض کیا کہ حضور ابھی تو آپ سے گفتگو کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا اور اس فقیر پر آپکی یہ عنایتیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، ابھی نماز کے قعدہ اخیرہ میں میرے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے میرے قلب پر القا ہوا کہ خواجہ احمد حسین حاضر ہیں ان کو اجازت نامہ دیجئے۔

مرشد اعلیٰ حضرت

خاتم الاکابر سیّد آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1209ھ 1296ھ

خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات مارہرہ کے گل سر سبد ہیں۔ تعلیم و تربیت والد ماجد سید شاہ آل برکات ستھرے میاں علیہ الرحمۃ کی آغوش میں ہوئی۔ حضرت عین الحق شاہ عبدالمجید بدایونی مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی شاہ نورالحق رزاق رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی کتب معقولات علم کلام فقہ واصول کی تحصیل تکمیل فرمائی۔ آپ کو کئی بزرگوں سے کئی سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل ہونے کے علاوہ حضور سیدی اچھے میاں علیہ الرحمۃ سے بھی اجازت حاصل تھی اور مرید بھی حضرت اچھے میاں علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں فرماتے تھے۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے 37 ویں امام وشیخ طریقت ہیں۔ آپ چودھویں صدی کے اکابراولیاء اللہ میں سے ایک ہے۔ آپ کی مساعی وکوشش سے اسلام مذہب اہلسنّت کواستحکام حاصل ہوا۔ بڑے نڈر بے باک شفیق اورمہربان تھے۔ غرباء مساکین کی ضرورتوں کوپوراکرتے۔ علوم وظاہر و باطن میں ماہراور مکاشفہ میں عجب شان رکھتے تھے۔ آپ کی شان بڑی ارفع واعلیٰ ہے۔ اسلام کی زندہ تابندہ یادگار تھے۔ آپ کے خلفائے کرام اپنے وقت کی نابغہ روزگار ہستیاں ہیں۔ سب آفتاب و ماہتاب ہیں۔ آپ کامزارِ انور مارہرہ شریف بھی مرجع خلائق ہے۔

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہندقاری محمد امانت رسول قادری خامہ فرسا ہیں:۔

1294ھ جمادی الآخر کا واقعہ ہے کہ ایک روز اعلیٰ حضرت قبلہ روتے روتے سوگئے خواب میں دیکھا کہ آپ کے جدامجد حضرت مولانا شاہ رضاعلی خان صاحب علیہ الرحمۃ تشریف لائے ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا عنقریب وہ شخص آنے والا ہے جوتمہارے دردودل کی دوا کرے گا۔

دوسرے روز تاج الفحول محبّ رسول حضرت مولانا خواجہ شاہ عبدالقادر صاحب عثمانی بدایونی قدس سرہ الربانی تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ مقدسہ پرتشریف لے گئے۔ مارہرہ مقدسہ کے اسٹیشن ہی پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا، شیخ کامل کی خوشبو آرہی ہے۔ امام الاولیاء سلطان العارفین تاجدار مارہرہ حضرت مولانا خواجہ سید شاہ آل رسول صاحب حسینی قدس سرہ نے فرمایا، آیئے ہم تو کئی روز سے انتظار کررہے ہیں۔ پھر بیعت فرمایا اور اسی وقت تمام سلاسل کی اجازت بھی عطا فرمادی۔ یعنی خلافت بھی بخش دی اور جوعطیات سلف سے چلے آرہے تھے وہ بھی سب عطا فرمادیئے اورایک صندوقچی جو وظیفہ کی صندوقچی کے نام سے منسوب تھی عطا فرمائی اور تمام اوراد و وظائف اعمال واشغال کی اجازت مرحمت فرمائی۔

یہ دیکھ کر تمام مریدین کو جو حاضر تھے تعجب ہوا جس میں قطب دوراں تاج الاولیاء حضرت مولانا شاہ سید ابوالحسین احمد نوری میں علیہ الرحمۃ نے (جو حضرت کے پوتے اور جانشین تھے) اپنے جدامجد سے عرض کیا، حضور بائیس سال کے اس بچہ پر یہ کرم کیوں ہوا؟ جبکہ حضور کے یہاں کی خلافت اجازت اتنی عام نہیں برسوں مہینوں آپ ریاضتیں کراتے ہیں جَو کی روٹی کھلوا کر منزلیں طے کرواتے ہیں پھر اگر اس قابل پاتے ہیں تب ایک دو سلسلہ کی اجازت خلافت (نہ کہ تمام سلاسل کی) عطا فرماتے ہیں حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ والرضوان بھی بہت بڑے روشن ضمیر عارف باللہ تھے اس لئے یہ سب کچھ دریافت کیا تاکہ زمانے کو اس بچے کا مقام ولایت وشان مجددیت کا پتا چل جائے۔

سیدنا شاہ آل رسول قدس سرہ نے ارشاد فرمایا، اے لوگو! تم احمد رضا کو کیا جانو یہ فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا، میاں صاحب میں متفکر تھا کہ اگر قیامت کے دن ربّ العزت جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول! تو دنیا سے میرے لئے کیا لایا تو میں کیا جواب دوں گا، الحمدللہ آج وہ فکر دور ہوگئی ہے۔ مجھ سے ربّ تعالیٰ جل وعلا جب یہ پوچھے گا کہ تو دُنیا سے میرے لئے کیا لایا، تو میں مولانا احمد رضا خان کو پیش کردوں گا۔ اور حضرات اپنے دِلوں کو زنگ آلود کر کے لے کر آتے ہیں، ان کو تیار ہونا پڑتا ہے، یہ اپنے قلب کو مجلی مصفی لے کر تشریف لائے، بالکل تیار آئے ان کو تو صرف نسبت کی ضرورت تھی۔

نیز فرمایا کہ میاں صاحب میری اور میرے مشائخ کی تمام تصانیف مطبوعہ یا غیر مطبوعہ جب تک مولانا احمد رضا خاں کو نہ دکھائی جائیں شائع نہ کی جائیں، جس کو یہ بتائیں: چھپے وہ چھاپی جائے، جس کو منع کریں وہ ہرگز نہ چھاپی جائے۔ جو عبارت یہ بڑھادیں وہ میری اور میرے مشائخ کی جانب سے بڑھی ہوئی سمجھی جائے اور جس عبارت کو کاٹ دیں وہ کٹی ہوئی سمجھی جائے۔ بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ اختیارات ان کو عطا ہوئے ہیں۔ حضرت نوری میاں صاحب قدس سرہ نے پھر جو اعلیٰ حضرت کے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالی تو برجستہ فرمانے لگے، واللہ یہ چشم و چراغ خاندان برکات ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر

قدوۃ السالکین

سیّدنا حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1238 ھ .... 1323 ھ

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سیّدنا حاجی وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ سلسلہ عالیہ وارثیہ کے مورث اعلیٰ ہیں اور فقیر کے جد اعلیٰ بھی ہیں۔ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے بہنوئی حضرت سید خادم علی شاہ علیہ الرحمۃ سے شرف خلافت حاصل ہے۔ آپ کی ساری زندگی فقیرانہ حالت میں گزری۔ والدین بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ پندرہ سال کی عمر میں سلطان الہند خواجہ حضرت معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ کے دربار میں حاضر ہوئے تو جوش ادب میں آپ نے ہمیشہ کیلئے جوتا ترک کردیا۔ حج بیت اللہ شریف اور روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کم عمری ہی میں کئی دفعہ حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، دَورانِ حج روزانہ مسجد حرام میں دو رَکعت میں پورا کلام پاک ختم فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا پیغام محبت ہے اور آپ نے ہمیشہ درس محبت ہی دیا یہی وجہ ہے کہ آپ کے سلسلہ میں محبت ہی محبت نظر آتی ہے۔ آپ کا مزار دیوہ شریف (ضلع بارہ بنکی، انڈیا) میں مرجع انام ہے۔

ہندوستان کے معروف عالم دین مولانا عبیداللہ خان اعظمی مدظلہ فرماتے ہیں۔

سوال کیا جاتا ہے کہ انہیں اعلیٰ حضرت کیوں کہتے ہو، ہم نے تو نہیں کہا، کسی نے کہا ہم نے متابعت کرلی، مولانا حاجی سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جب مولوی لوگ آتے تھے تو کسی کو مولانا نہیں کہتے تھے۔ کتنے بڑے بھی عالم آپکی خدمت میں گئے، ہمیشہ حضرت نے مولوی ہی کہا مگر جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے چند خادموں کے ساتھ آپ کی زیارت کو گئے تو حضرت حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے، آؤ مولانا آؤ! آپ تو اعلیٰ حضرت ہو۔

قبلہ حاجی وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ کے عطا کردہ لقب کو ایسی شہرت دوام حاصل ہے کہ جب بھی اعلیٰ حضرت کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کا ہی نام سامنے آجاتا ہے۔

شیر ربانی میاں شیر محمد شرق پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1292ھ 1347ھ

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرق پوری علیہ الرحمۃ اپنے دور کے جلیل القدر قطب ہیں، آپ ظاہری و باطنی علوم وفنون میں یگانہ روز ہیں۔ آپ عالم شباب ہی میں حضرت خواجہ امیر الدین علیہ الرحمۃ کے دست شفقت پر بیعت ہوئے۔ آپ کی ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزری۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کشف و کرامات سے مرقع نظر آتا ہے۔ لیکن آپ کی سب سے معروف کرامت سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت ہے۔ آپ نے تبلیغ دین کے سلسلے میں کسی کو بھی رعایت نہ فرمائی۔ سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا حسین نقشہ پیش فرمایا کہ اس پر آنے والی نسلیں تا قیامت جتنا فخر کریں کم ہے۔ آپ نے ایک آن بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی برداشت نہیں کی۔ آپ صحیح معنوں میں عاشق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کا مزار فیض آثار شرق پور شریف (شیخوپورہ) میں دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ حضرت شیر ربانی علیہ الرحمۃ اور اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے عقائد ونظریات میں کافی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ آپ نے بھی عقائد حقہ کی سختی سے پاسبانی فرمائی آپ کی مسجد کے محراب پر بھی لکھا ہوا ہے **یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ**

مولانا محمد صابر نسیم بستوئی لکھتے ہیں:۔

شیخ وقت حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرق پوری علیہ الرحمۃ کو خواب میں حضور غوثِ اعظم سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ السبحانی کی زیارت ہوئی۔ میاں صاحب نے دریافت کیا، حضور! اس وقت دُنیا میں آپ کا نائب کون ہے؟ ارشاد فرمایا، بریلی میں احمد رضا۔

حاجی فضل احمد مونگہ شرق پوری تحریر فرماتے ہیں، حضرت میاں صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دفعہ بریلی شریف بھی گئے تھے واپسی پر آپ نے بابا شیخ محمد عاشق مونگہ مرحوم کو فرمایا، عاشقا! میں بریلی شریف گیا تھا، جب میں وہاں پہنچا تو مولانا احمد رضا خاں (علیہ الرحمۃ) درس دے رہے تھے۔ یار! جب میں نے بیٹھ کر ان کا درس سنا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب (علیہ الرحمۃ) جو بھی حدیث شریف بیان کرتے ہیں وہ براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھ کر بیان کرتے ہیں۔

سلطان العلماء پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1275ھ 1365ھ

صوفیائے پنجاب میں سلطان العلماء پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ کا نام ممتاز و نمایاں ہے۔ آپ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ آپ مرد کامل، عالم فاضل، فقیہہ اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ آپ مجدد وقت بھی تھے۔ آپ نے اسلام و مسلمین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے خلاف قلمی اور علمی جہاد فرمایا ہے، مرزا لعین قادیانی نے جب مجددیت سے نبوت کا اپنا پُر فریب جال پھیلایا تو آپ ہی نے مرزا لعین کے کافرانہ دعوے پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ آج تک مرزائیت کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہے۔ آپ کی اس مساعی جمیلہ کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی بنظر استحسان دیکھا ہے۔

مفتی گولڑہ مولانا فیض احمد فیض کے استفسار کے جواب میں خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ مرزا قادیانی کو شکست فاش دینے کے بارے میں حضرت پیر صاحب گولڑوی علیہ الرحمۃ کا ذکر خیر بریلی شریف میں نمایاں طور پر مجالس خاصہ میں ہوتا رہتا تھا، حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بڑی عزت و توقیر سے آپ کا نام لیتے اور آپ کی بعض تصانیف بھی وہاں موجود تھیں، حضرت فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) گفتگو میں ان کے حوالے بھی دیتے رہے۔

مرزائیت کے رد میں **شمس الہدیت** اور **سیف چشتیائی** آپکی لاجواب کتابیں ہیں۔ آپ کی دیگر تصانیف میں **تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، اعلاء کلمۃ اللہ، الفتوحات الصمدیہ، فتاویٰ مہریہ** بھی قابل ذکر ہیں۔ دنیائے تصوف کے اہم ترین نظریہ **وحدت الوجود** پر تو آپ ایک اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کا مزار اس وقت گولڑہ شریف (اسلام آباد) میں موجود ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ اور پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ ہم عصر و ہم زمانہ ہیں۔ دونوں کے درمیان اعتقادی ہم آہنگی، فکری یکسانیت اور سیاسی بصیرت میں موافقت اظہر من الشمس ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ مرجع المشائخ والعلماء ہیں۔ بلاد اسلامیہ اور دیگر کئی ممالک سے مشائخ عظام اور علماء کرام نے اپنے استفتاء اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی موجودگی میں دربار عالیہ گولڑہ شریف سے بھی چند استفتاء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ارسال کئے گئے تھے جن کے جوابات **فتاویٰ رضویہ** میں چھپ چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے ایک معروف فتویٰ پر مشاہیر علماء و مشائخ کی طرح پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ نے بھی ان الفاظ میں تائید و توثیق فرمائی ہے، آپ کے استفسار کے متعلق جواباً گزارش ہے کہ اہلسنت کو اہل ہوا و بدعت کیلئے اشاعت امور ہوائیہ و بدعیہ میں امداد دینی نہ چاہئے، میں چونکہ مفتی نہیں ہو۔ لہٰذا مہر بھی نہیں رکھتا۔ ملخصاً

شیخ الحدیث مولانا عبدالرزاق صاحب مدظلہ (سکنہ گوھدو، راولپنڈی) فرماتے ہیں، ایکدن میں اور مولانا عبدالغفور ہزاروی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمۃ ناظم مراسلات ملک سلطان محمود ٹوانہ مرحوم کے پاس بیٹھے تھے، ملک صاحب نے فرمایا کہ حضرت کے آخر دور میں جو خطوط آتے ان پر مختلف اشعار لکھے ہوتے، ایک دن میں مکاتیب سنا رہا تھا کہ ایک مکتوب کھولا اور یہ شعر پڑھا:

پیش نظر وہ نو بہار سجدہ کو دل ہے بے قرار

ارے روکیے سر کو روکیے، یہی تو امتحان ہے

آپ نے پوچھا، یہ شعر کس کا ہے؟ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا، یہ شعر مولانا احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمۃ) کا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا، ایسا شعر کہنا ان ہی کی شان عالی کے مناسب ہے۔ ملخصاً

اعلیٰ حضرت گولڑوی کے محب صادق بابا فضل خان مٹھیالوی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمۃ کے وصال کے تیسرے دن دربار شریف کی مسجد میں علماء کرام اور دیگر بزرگان عظام رونق افروز تھے۔ حضرت قبلہ محی الدین شاہ المعروف قبلہ بابو جی علیہ الرحمۃ کی دستار بندی کا پروگرام تھا۔ اس سلسلے میں جب آپ سے بات کی گئی تو آپ نے فرمایا، اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمۃ) فرماتے تھے کہ ہندوستان میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمۃ) اور مولانا محمد غازی خاں (علیہ الرحمۃ) ہی صرف ایسے تھے جن کے عالم ہونے پر مجھے یقین ہے۔ اس لئے مولانا محمد غازی خاں (علیہ الرحمۃ) کی دستار بندی کی جائے اور انہیں اعلیٰ حضرت گولڑوی (علیہ الرحمۃ) کا جانشین بنایا جائے۔

اگرچہ بعض اہل علم کی تحقیق کے مطابق اعلیٰ حضرت بریلوی (علیہ الرحمۃ) اور اعلیٰ حضرت گولڑوی (علیہ الرحمۃ) کی ملاقات ثابت نہیں۔ لیکن اس ضمن میں درج ذیل روایت کو نظر انداز کرنا بھی سراسر ناانصافی ہے۔ مفتی غلام سرور قادری رقمطراز ہیں:۔

جامع مسجد ہارون آباد کے امام اور غلہ منڈی ہارون آباد کی مسجد کے خطیب مولانا مولوی احمد الدین صاحب فاضل مدرسہ انوار العلوم نے راقم الحروف کو بتایا کہ میں نے حضرت علامہ فہامہ محقق اہل سنت مولانا مولوی نور احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بارہا فرماتے سنا کہ عارف باللہ امام اہلسنّت حضرت مولانا مولوی سید پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت کی زیارت کیلئے بریلی شریف حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمۃ) حدیث شریف پڑھا رہے تھے، فرماتے ہیں مجھے یوں محسوس ہوا کہ اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمۃ) حضور پُر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ دیکھ کر آپ کی زیارت شریفہ کے انوار کی روشنی میں حدیث پڑھا رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا پیر محمود احمد قادری لکھتے ہیں:۔

حکیم عبداللطیف فلسفی خاندان اطبائے لکھنؤ کے چشم و چراغ اور طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرنسپل تھے نے ایک موقع پر بیان فرمایا تھا کہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کے ایک امتحان کے موقع پر نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی سابق صدر امور مذہبی حیدرآباد دکن نے اکابر علماء حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، استاذ العلماء مولانا مشتاق احمد کانپوری، حضرت مولانا سید سلیمان اشرفی چیئرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے دریافت کیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمامہ شریف میں کتنے پیچ ہوتے تھے؟ مولانا سید سلیمان اشرفی نے فرمایا، اس کا جواب صرف مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ دیتے مگر افسوس کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں! مولانا کے اس فرمان کی تمام علماء نے تائید کی۔

شہر یار تصوف خواجہ محمد یار فریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1300ھ 1367ھ

شہر یار تصوف خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمۃ مشائخ پنجاب میں فن خطابت کے بادشاہ گزرے ہیں۔ آپ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ (چاچڑاں) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ شیخ طریقت کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش نازک سے دس سال کسب فیض حاصل کیا پھر اپنے پیرو مرشد کے پوتے خواجہ محمد معین الدین صاحب کی خدمت میں رہے اور خلافت سے نوازے گئے۔ مولانا نور احمد فریدی علیہ الرحمۃ سے بھی آپ کو خلافت حاصل تھی۔ 1333ھ میں آپ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ آپ مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ بڑے دلکش انداز میں پڑھتے اور اس کی تشریح ایسے دلچسپ پیرائے میں فرماتے کہ ہر شعر کے رموز و اسرار آئینے کی طرح روشن ہو جاتے تھے، اگرچہ آپ نے کسی جامعہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی شعر و سخن کی محفلوں کے باضابطہ حاضر باش تھے۔ لیکن ان کے فارسی کلام میں اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کی اردو سے دلی اور لکھنؤ کی مہک آتی ہے۔ آپ کی دیوان محمدی میں فکر، فن اور جذبے کا اتنا خوشگوار امتزاج ہے کہ تین مختلف زبانوں میں لکھنے والے کسی اور شاعر کے ہاں اس کی مثال ملنا محال ہے۔ آپ وحدت الوجود کے نہ صرف شارح اور مفسر ہیں بلکہ عملی معلم اور پیکر ہیں۔

خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ نامور علمی شخصیت صاحبزادہ سید فاروق القادری (سجادہ نشین شاہ آباد شریف، گڑھی اختیار خان) فرماتے ہیں:۔

ایک محفل میں آپ کو فاضل بریلوی مولانا محمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمۃ) کی موجودگی میں منبر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بٹھایا گیا، ایک عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سے بڑی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے کہ سامنے بھی اپنے آپ کا نامور عالم، شیخ طریقت اور بلند مرتبہ عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو جو علم و معرفت کی تمام لطافتوں اور باریکیوں کو نہ صرف سمجھتا ہو بلکہ خود اس راہ کا راہی ہو، خواجہ محمد یار (علیہ الرحمۃ) نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ شروع کیا تو فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) نے اٹھ کر آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور فرمایا...... سر آمد واعظین پنجاب

خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمۃ کا اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ سے قلمی رابطہ بھی رہا ہے۔ آپ نے چاچڑاں شریف کے مدرسے میں تدریس کے دوران بزبان فارسی وراثت کے سلسلے میں ایک استفتاء بریلی شریف روانہ کیا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے بھی اس کا فارسی ہی میں جواب عنایت فرمایا۔

خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک محفل میں جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا قصیدہ معراجیہ پڑھا تو بعض لوگوں نے ان اشعار پر اعتراض کیا جن میں بیت اللہ کو دلہن اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولہا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ان الفاظ میں استفتاء ارسال کیا:

قبلہ معتقدین دام ظلہ از خاکسار محمد یار مشتاق دیدار بعد نیاز شب معراج آپ کا قصیدہ معراجیہ پڑھا گیا، جس پر وہابیوں نے دولہا دلہن کے متعلق شور اٹھایا کہ اللہ جل جلالہ و حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ان الفاظ کا استعمال کرنا موجب کفر ہے، شب برأت کو یہاں گڑھی اختیار خاں میں ان الفاظوں کے متعلق وہابیوں کی طرف سے میرے ساتھ ایک طویل بحث ہونے والی ہے۔

اے مجدد یمن بے سرو سامان مددے　　　قبلہ دین مددے کعبہ ایمان مدد

ضرور مہربانی فرمائی فرمایا کہ دلائل قاطع سے اس تشبیہ کا ثبوت مدلل کرکے اس ہفتہ میں بھیج کر مسلمان اہل سنت والجماعت کو عزت بخشی حضور پر فرض سمجھی جا رہی ہے۔ یہ فی سبیل اللہ بصدقہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کام کو سب کاموں پر مقدم فرما کر وہ تحریر فرمادیں کہ موجب اطمینان اہل اسلام ہو۔

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے فوری طور پر جواب ارسال کیا اور اپنے موقف کی تائید میں مختلف کتابوں سے شواہد و نظائر اور آثار و اخبار پیش کیے، جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ، بیت اللہ شریف اور جنت کو دولہا اور دلہن سے تشبیہ دی گئی ہے۔

النقیب الاشراف

السید طاہر علاء الدین القادری الگیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1352 ھ .... 1412 ھ

النقیب الاشراف السید طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی البغدادی علیہ الرحمۃ، پیران پیر دستگیر غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی سولھویں پشت سے حضرت محمود حسام الدین علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ بے شمار روحانی کمالات وتصرفات سے بہرہ مند تھے۔ آپ تقویٰ، طہارت، سیرت و کردار، معرفت و روحانیت اور جمال و جلال میں سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمۃ کی تصویر تھے۔ آپ نے اپنے آبائی وطن بغداد شریف کو چھوڑ کر نقل مکانی کی اور پاکستان کو اپنا مسکن بنالیا۔ زیادہ قیام کوئٹہ میں ہوا کرتا تھا تاہم سردیوں میں کراچی تشریف لے آتے۔ پاکستان اتنا پسند آیا کہ آپ نے اسے اپنی آخری آرام گاہ کیلئے بھی منتخب کرلیا۔ آپ کے صاحبزدگان کی اولین ترجیح آپ کو بغداد شریف میں ہی دفن کرنا تھا لیکن عراق کویت جنگ کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایسے حالات پیدا کر لئے کہ آپ سرزمین پاکستان ہی میں دفن ہوں۔ بالآخر آپ کو ٹاؤن شپ لاہور کے علاقے **بغداد ٹاؤن** میں سپرد خاک کردیا گیا۔ اب یہاں حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے روضہ مبارک (بغداد شریف) کے مطابق آپ کا مقبرہ زیر تعمیر ہے۔ دنیا بھر میں لاکھوں کی تعداد میں مریدین اور وابستگان آپ سے روحانی فیض پا چکے ہیں اور پا رہے ہیں۔

آپ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضری دینے کیلئے بریلی شریف بھی تشریف لے گئے۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان نوری علیہ الرحمۃ نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم فرمائی۔ جب تک آپ بریلی شریف میں قیام پذیر رہے۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ ننگے پاؤں رہے۔

یوم رضا کے موقع پر مرکزی مجلس رضا لاہور کے نام اپنے پیغام میں فرماتے ہیں:۔

مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عاشق حضرت غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عابد و متقی عالم موحد و خادم سادات تھے، انہوں نے اسلام کیلئے بے حد خدمات انجام دیں اور ان کا مدرسہ بابرکت ہے۔ خود مولانا مغفور اور ان کے شاگردوں نے ہندوستان و پاکستان میں اسلام کی بے حد خدمات سرانجام دیں، بالخصوص اہلسنّت و الجماعت کیلئے بدعقیدہ جو اہلسنّت و جماعت کے مخالفین تھے کو شکست فاش دی، مولانا احمد رضا خاں موصوف کو رسول اعظم و غوث پاک کے طفیل بلند درجات عطا ہوئے ہیں اور ہم لوگ ان کی عزت کرتے ہیں کیونکہ موصوف مانے ہوئے اہل سنت و جماعت کے عالم وحامی تھے۔

اسی طرح مولانا سید محمد ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ (بانی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) کے نام یوں پیغام ارسال فرمایا:

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ایسی نابغہ روزگار ہستی جس کی علمی روحانی، دینی اور ملی خدمات ان گنت ہیں، کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔
مجھے بے حد خوشی ہے کہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، علوم جدیدہ سے بہرور طبقے اور نئی نسل کیلئے امام احمد علیہ الرحمۃ کے علمی شہ پاروں کو شائع کر کے ایک ٹھوس کام کر رہا ہے۔

میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اور اراکین ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کو ہمت، استقامت اور حوصلہ عطا فرمائے اور ایسے اسباب مہیا فرمادے کہ آپ ایسے پرفتن دور میں جبکہ ہر طرف بے راہ روی کا دورہ ہے، اس شمع کا روشن رکھ سکیں، جس کی ضو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے ہم تک پہنچائی ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے مشن کو اُمت مسلمہ کے اتحاد اتفاق کا ذریعہ بنانا ہی دراصل ان کو زبردست خراج عقیدت پیش کرنا ہے۔

غزالی دوراں

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

1913ھ 1986ھ

غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی چشتی علیہ الرحمۃ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ بے مثل مفسر قرآن، لاثانی محدث، عظیم فقیہہ اور عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ آپ کا تعلق خانوادہ سادات سے ہے، آپ نے اپنے اجداد کی ترجمانی کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ کی ساری زندگی فرقہ ہائے باطلہ کے خلاف قلمی جہاد میں گزری۔ آپ کی بے شمار تصانیف مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تحریک پاکستان میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ نہ صرف کثیر تعداد میں بلکہ علم وفضل میں بھی نادر روزگار ہیں۔ آپ کا دربار مدینۃ الاولیاء ملتان میں ہے۔

قبلہ علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے عاشق زار تھے۔ جب بھی کسی نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت کو داغدار کرنے کی ناپاک جسارت کی تو آپکا راہوار قلم فوراً تعاقب میں سرپٹ دوڑتا بالآخر معترض کو راہ فرار اختیار کرنا پڑتی۔

آپکی تمام تصنیفات، مقالات اور ملفوظات سے محبت رضا اظہر من الشمس ہے۔ بخوف طوالت یہاں چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے۔

جناب مفتی غلام سرور قادری رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ راقم مولانا نور احمد فریدی علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقع پر حضرت کیساتھ جتوئی ٹھہر گیا، رات کو حضرت تقریر کر کے اپنی نشست گاہ پر تشریف لائے اور اپنی چارپائی پر لیٹے تو راقم آپ کے پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کوئی بات کریں۔ راقم نے عرض کی کہ مدرسہ انوار العلوم میں ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ تو علم ظاہری کے ایک عالم تھے، بس یہ سنتے ہی حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا کہ مولانا! جس نے یہ بات کی ہے وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مقام سے بے خبر ہے۔

مولانا! اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے مجدد برحق ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثال عالم، بے مثال فقیہہ، بے مثل محدث اور بے مثل محقق تھے۔ پھر فرمایا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے غوث اور قطب عالم تھے، ان کی مثالی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے پہلے دور دور تک بھی نظر نہیں آتی، درحقیقت میرے سمیت اس دور کے تمام سنی علماء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے چشمہ علم وعرفان سے مستفید و مستفیض ہونے والے ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بعد ان کے دو صاحبزادوں حجۃ الاسلام امام حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ اور مفتی اعظم ہند امام مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ جیسی ہستیاں بھی اپنی جگہ بے مثل ہیں اور ان کے پائے کی علمی وحقانی اور ربانی شخصیتیں نظر نہیں آتیں۔

جناب مفتی غلام سرور قادری ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ملتان میں حضرت قبلہ کاظمی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اوراس دوران داڑھی کی حدشرع ایک مشت سے واجب ہونے سے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتویٰ کا ذکر آیا کہ جوشخص داڑھی ایک مشت سے کم کراتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس فتوے پر فقیر نے انوارالعلوم کے بعض اساتذہ کی تنقید کا ذکر کیا، سیدی وسندی قبلہ کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ اس وقت لیٹے ہوئے تھے، یہ سنتے ہی اٹھ بیٹھے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس فتویٰ پر تنقید کرنے والے صاحب پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتویٰ پر تنقید ہم سے برداشت نہ ہوگی، یہ مدرسہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے نظریات حقہ کا علم بردار ہے۔ ہم کیا ہیں؟ جو کچھ ہیں، اعلیٰ حضرت ہیں، سب کچھ انہیں کا صدقہ ہے۔ ہم انہیں کے ریزہ خوار ہیں، ہم انہیں کے نام لیوا ہیں، جوشخص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے نظریات وتحقیقات شریفہ سے متفق نہیں ہم اسے برداشت نہیں کرسکتے۔ ہمارے مدرسے میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں۔

مزید فرمایا...... ہم سب اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کی عظمت فکر کے مدح خواں ہیں اور جو علماء اہل سنت میدان تحقیقات میں جولانیاں دکھاتے یا قضائے تدقیق میں پرواز کرتے ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے فیوضات ہیں جن سے کوئی بھی عالم بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے چند خلفاء

صدر الافاضل

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ

موجودہ صدی میں اہل سنت و جماعت کے کئی جلیل القدر اساطین علم و فضل اور صنادید فضیلت و معرفت گزرے ہیں، جن میں صدر الافاضل، بدر الاماثل سیدی مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام نامی بہت ہی نمایاں ہے۔

آپکی ولادت مبارک 21 صفر المظفر (یکم جنوری 1300ھ 1883ء) بروز پیر ہوئی۔ تاریخی نام غلام مصطفیٰ (1300ھ) تجویز ہوا آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد معین الدین نزہت (م 1339ھ) اور جد امجد حضرت مولانا سید امین الدین راسخ ابن مولانا سید کریم الدین آرزو اپنے اپنے دور میں اُردو اور فارسی کے استاد مانے گئے ہیں۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، اُردو اور فارسی کی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی۔ ملاحسن تک درسی کتابیں حضرت مولانا شاہ فضل احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔ بعد ازاں استاد العلماء حضرت مولانا سید گل محمد قدس سرہ مہتمم مدرسہ امدادیہ مراد آباد سے درس نظامی اور دورۂ حدیث کی تحصیل و تکمیل کی اور ایک سال فتویٰ نویسی کی مشق کے بعد 1902ھ 1320ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔ اس موقع پر آپ کے والد گرامی نے تاریخ کی۔

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ تفضّل	سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہت نعیم الدین کو یہ کہہ کے سنادے	دستار فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت

سلسلہ عالیہ قادریہ میں استاد مکرم حضرت مولانا سید گل محمد قدس سرہ العزیز کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے بھی خلافت عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی محققانہ تصانیف کے مطالعہ سے حضرت صدر الافاضل کے دل میں گہری محبت عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ ایک دفعہ جودھپور کے ادریس نامی ایک مخالف نے نظام ملک اخبار میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے خلاف ایک مضمون لکھا، جس میں دل کھول کر دشنام طرازی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت صدر الافاضل کو اس مضمون کے دیکھنے سے سخت صدمہ ہوا۔ اسی رات اس کے خلاف ایک مضمون تحریر فرمایا اور نظام الملک اخبار میں شائع کرا دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو پتا چلا تو حاجی محمد اشرف شاذلی کو تحریر فرمایا کہ مولانا سید محمد نعیم الدین کو ساتھ لے کر بریلی آئیں۔ اس ملاقات میں حضرت صدر الافاضل، مولانا احمد رضا بریلوی کی شفقت و محبت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کوئی مہینہ بریلی شریف کی حاضری سے خالی نہ جاتا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو حضرت صدرالافاضل قدس سرہ پر اس قدر اعتماد تھا کہ جہاں کہیں مناظرہ ہوتا حضرت صدرالافاضل کو روانہ فرماتے۔ آپ کو مناظرہ میں بے پناہ مہارت حاصل تھی، عیسائی آریہ روافض خوارج قادیانی اور غیر مقلدین سے بارہا مناظرے کا اتفاق ہوا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہر میدان میں غلبہ پایا۔

آپکو مناظرہ میں زبردست کمال حاصل تھا، بڑے سے بڑے مناظر کو چند جملوں میں لاجواب کر دینا آپ کیلئے معمولی سی بات تھی۔ دور طالب علمی میں ایک آریہ سے گفتگو فرمائی، اس نے اعتراض کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہوتا ہے اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بی بی سے نکاح کرلیا تھا۔ حضرت صدرالافاضل نے دلائل عقلیہ سے بیان کیا کہ کسی کو بیٹا کہنے سے اس کی حقیقت نہیں بدلتی حقیقت میں بیٹا وہ ہوتا ہے جو کسی کے نطفے سے پیدا ہو لیکن پنڈت نے کہا میں نہیں مانتا، آپ نے فرمایا، میں تمہیں ابھی منوائے دیتا ہوں۔ مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ پندت میرا بیٹا ہے۔ لہٰذا پنڈت جی کے قول کے مطابق یہ میرے حقیقی بیٹے بن گئے اور حقیقی بیٹے کی بی بی باپ پر حرام اور اس کی ماں حلال ہوتی ہے۔ تو ان کی ماں مجھ پر حلال ہوگئی۔ پنڈت یہ سن کر بوکھلا گیا اور کہنے لگا، تم مجھے گالی دیتے ہو۔ صدرالافاضل نے فرمایا، میرا مدعا ثابت ہوگیا تو خود اسے گالی تسلیم کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ منہ بولا بیٹا حقیقت میں بیٹا نہیں ہوتا۔ پنڈت کہنے لگا، پہلے تمہارا مولوی چلا گیا، اب میں چلتا ہوں۔

رام چندر نامی پنڈت سے بریلی شریف میں گفتگو ہوئی تو اس نے کہا، آپ مجھ سے کیا بحث کریں گے مجھے آپ کی کتاب قرآن پاک کے پندرہ پارے یاد ہیں۔ آپ میرے وید کے صرف پندرہ ورق سنا دیجئے۔ حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے فرمایا، پنڈت جی یہ تو میری کتاب کا اعجاز ہے کہ دشمن کے سینے میں اتر گئی ہے، تمہاری کتاب کا یہ حال ہے کہ خود تمہیں اس کے پندرہ ورق بھی یاد نہیں ہیں، اس سے قرآن پاک کی صداقت کا پتا چلتا ہے۔ اس پر پنڈت جی بڑے خفیف ہوئے اور جلسہ برخاست کر دیا۔

متھرا اور آگرہ کے نواح میں شردانند نے جب فتنہ ارتداد شروع کیا تو حضرت صدرالافاضل نے اسے مناظرہ کی دعوت دی، جسے اس نے قبول کرلیا۔ آپ دہلی پہنچے تو وہ بریلی جا پہنچا، بریلی سے لکھنؤ پٹنہ اور پھر کلکتہ جا پہنچا۔ حضرت بھی اس کا تعاقب کرتے ہوئے کلکتہ جا پہنچے تو اس نے مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا، غرض جس وقت جس جگہ کسی مخالف نے دعوت مبارزت دی حضرت صدرالافاضل فوراً تشریف لے گئے مدمقابل اول تو سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کرسکا اور اگر سامنے آیا بھی تو اسے جلد ہی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

فن خطابت میں کامل دستگاہ حاصل تھی، اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے مگر گفتگو اتنی پر اثر ہوتی کہ مخالفین کو بھی اعتراف فضیلت کرنا پڑتا حق بیان کرنے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے، 1354ھ میں جب سفر حج کیا تو مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران ملاحظہ فرمایا کہ جب کوئی عقیدت مند روضہ کی جالی کو بوسہ دینے لگتا تو نجدی سپاہی مرد کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے اور عورت کے سینہ پر ہاتھ مار کر پیچھے دھکیل دیتے۔ حضرت نے فوراً نجدی سپاہیوں کو ڈانٹا اور عربی زبان میں فرمایا، اول تو نا محرم عورت کو ہاتھ لگانا ویسے ہی ناجائز ہے اور پھر دربار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اور بھی سخت ناجائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے بقصد شہوت ہاتھ نہیں لگایا، حضرت نے فرمایا، اس میں شہوت یا بغیر شہوت کی قید نہیں ہے۔ سپاہی آپ کا تیور دیکھ کر گھبرا گئے۔ چنانچہ قاضی شہر اور کوتوال کو بلالیا، حضرت نے قاضی سے ایسی مدلل گفتگو فرمائی کہ اسے تسلیم کرنا پڑا یہ فعل غلطی پر مبنی ہے۔

علوم دینیہ کی تدریس میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ حدیث شریف پڑھاتے تو یوں محسوس ہوتا کہ اپنے دور کے ابن حجر اور ابن ہمام یہی ہیں۔ معقولات کا درس ہوتا تو امام رازی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کا پرتو معلوم ہوتے۔ فقہی مسائل حل کرتے تو امام ابوحنیفہ کے تلمیذ دکھائی دیتے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بعد سب سے زیادہ استفتاء آپکے پاس آتے، جن کے شافی جوابات بھجوائے جاتے، جسمانی اور روحانی مریض حاضر ہوتے اور خوش خوش واپس لوٹتے، ہیئت میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تیار کرائے ہوئے فلکی کرے دیکھ کر ماہرین ریاضی آپ کی جلالت علمی کو ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

1328ھ میں آپ نے مراد آباد میں مدرسہ انجمن اہل سنت و جماعت کی بنیاد رکھی، جس میں معقول و منقول کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا گیا۔ 1352ھ میں حضرت صدر الافاضل کی نسبت سے اس کا نام جامعہ نعیمیہ رکھا گیا۔ حضرت صدر الافاضل اس مدرسہ میں حدیث شریف کے علاوہ دیگر درسی کتب کا بھی درس دیتے تھے۔ جلد ہی یہ مدرسہ پورے برصغیر میں عظیم الشان دینی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا، جہاں سے متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے علاوہ غیر ممالک کے اہل علم بھی فیض یاب ہوئے۔ آج پاک و ہند کے اکثر مدارس وہ ہیں جہاں بالواسطہ آپ کے فیض یافتہ حضرات گرانقدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کے پاکستان میں چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، پیر محمد کرم شاہ الازہری مدیر ماہنامہ ضیائے حرم، مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی مہتمم مدرسہ حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور، مولانا مفتی محمد امین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (کامونکی) مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مدیر سواد اعظم لاہور، مولانا غلام فخر الدین گانگوی شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، میانوالی وغیرہ۔

حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قابل قدر دینی خدمات زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے صرف محراب و منبر اور مسند تدریس ہی کو زینت نہ بخشی بلکہ وقت آیا تو میدان میں آکر اہل باطل کی سازشوں کے تاروپور بکھیر کر رکھ گئے۔

1920ء میں جب سلطنت ترکی کے تحفظ اور حمایت کیلئے خلافت کمیٹی قائم کی گئی تو ہندوؤں کے ساتھ مل کر جدوجہد شروع کی تا کہ ترکی کے مقبوضات واپس دلائے جائیں۔ ہنود کے ساتھ راہ ورسم اس حد تک پہنچ گئے کہ ہندو مقتدا اور مسلمانوں کے لیڈر مقتدی بن گئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر اسلامی شعار ترک کر دیئے گئے اور شعائر کفر اپنانے میں کوئی باک نہ رہا۔

اس نازک موقع پر صدرالافاضل نے مسلمانوں کی بروقت رہنمائی فرمائی اور واشگاف الفاظ میں فرمایا جہاں تک اہل اسلام کی امداد واعانت کا تعلق ہے، اس کے فرض ہونے میں کچھ شک نہیں۔ حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں، ایک ایک لفظ سے کس قدر درد وکرب کا اظہار ہو رہا ہے، فرماتے ہیں:۔

'سلطان اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ، بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا' ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو، کم ہے۔ سلطنت اسلامیہ کی اعانت وحمایت خادم الحرمین کی مدد ونصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔ (حیات صدرالافاضل، ص ۹۹)

لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے، ان کی رضامندی کے لئے شعائر کفر اپنا لئے جائیں اور ترکی کی حمایت کیلئے اپنے دین وایمان کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ فرماتے ہیں:۔

اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر بجا ہے، درست ہے، پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے ہیں۔ کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے۔ کہیں بتوں پر پھول اور پوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔ معاذ اللہ! کروڑ سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں، مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جا سکتا، مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔

یہ وہ دور تھا جب کانگریس کا طوطی بول رہا تھا اور کانگریس کے بڑے لیڈر گاندھی کی چالوں کا شکار ہو چکے تھے، اس موقع پر صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ صرف ترکی کے مسلمانوں کی امداد واعانت کے طریقے بتائے، بلکہ ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج وضاحت سے بیان کر کے دوقومی نظریہ کا بھرپور پرچار کیا۔ اس وقت اگرچہ دیگر علمائے اہل سنت کی طرح آپ پر بھی طعن وتشنیع کے تیر برسائے گئے لیکن آج ہر صاحب انصاف تسلیم کرتا ہے کہ حضرت صدرالافاضل کی دوررس نگاہوں نے جو فیصلہ صادر کیا تھا، یقیناً حقیقت پر مبنی تھا۔

1924-25 میں ہندوؤں نے شدھی تحریک چلائی، جس کا مقصد یہ تھا کہ مذہبی تبلیغ تیز کر کے مسلمانوں کو مرتد کیا جائے یا ان کا قتل عام کیا جائے۔ صدرالافاضل جیسا بیدار مغز اور احساس انسان کس طرح خاموش بیٹھ سکتا تھا۔ چنانچہ بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفٰے قائم کی گئی، جس کے تحت آپ نے دیگر علمائے اہل سنت کی رفاقت میں فتنہ ارتداد کے سدباب کیلئے تمام تر کوششیں صَرف کر دیں۔ آگرہ، متھرا، بھرتپور، گوڑگانواں، گوبندگڑھ، حوالی، اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ تک طوفانی دورے کئے اور آگرہ میں ہیڈ کوارٹر قائم کر کے ایک مدت تک وہاں قیام کیا اور مسلسل تبلیغی وفود بھیجے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شردھانند کا شر ختم ہوا، ہزاروں مرتد داخل اسلام ہوئے اور لاکھوں مسلمان آریوں کے چنگل سے بچ گئے۔

ہندو آئے دن مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے سازشیں کرتے رہتے تھے، اس لئے حضرت صدرالافاضل نے مسلمانوں کے دین و مذہب کے تحفظ کی خاطر ملک بھر کے اکابر علماء ومشائخ کو مراد آباد مدعو کیا، چار روز کے غور وفکر کے بعد آل انڈیا سنّی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی۔ بالاتفاق آپ کو ناظم اعلیٰ اور امیر ملت حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ کو صدر منتخب کیا گیا۔ حضرت صدرالافاضل قدس سرہ نے سنّی علماء ومشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر متحدہ کرنے اور مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں کے استیصال کیلئے ملک کے گوشہ گوشہ میں سنی کانفرنسیں قائم کیں اور شبانہ روز جدوجہد شروع کر دیں۔

1343ھ 1924ء میں آپ کی سرپرستی میں مراد آباد سے ماہنامہ السواد الاعظم جاری ہوا، جس میں دینی اور تبلیغی مضامین کے علاوہ مسلمانوں کے انفرادی تشخص کو نمایاں کرنے کیلئے وقیع مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت اور دوقومی نظریہ کا یہ نقیب جریدہ ربع صدی تک بڑی شان وشوکت سے شائع ہوتا رہا اور مسلمانوں کی بروقت رہنمائی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتا رہا۔

1940ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا، جس میں قائداعظم اور دیگر زعمائے مسلم لیگ نے مطالبہ پاکستان کی قرارداد پاس کی، تو علمائے اہل سنت نے اس مطالبے کی پُرزور تائید کی۔ حضرت صدرالافاضل نے آل انڈیا سنّی کانفرنس کے تحت متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے کونے کونے میں علماء اہل سنت کی معیت میں نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کی۔ صوبہ جات مدارس، گجرات، کاٹھیاواڑ، جونا گڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی، پنجاب بہار، غیر منقسم بنگال میں کلکتہ، ہگلی، چوبیس پرگنہ، ڈھاکہ، کرنافلی، چاٹگام، سلہٹ وغیرہ کے مسلسل دورے کیے اور قیام پاکستان کیلئے فضا ہموار کی۔ تحریک پاکستان کے ساتھ آپ کے گہرے لگاؤ کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:۔

پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامی (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دستبردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ (حیات صدرالافاضل، ص ۱۸۶)

مطالبہ پاکستان کے موثر اور مقبول عام بنانے کیلئے آل انڈیا سنی کانفرنس کا فقید المثال اجلاس ۲۴ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ، بمطابق 27 تا 30 اپریل (1365ھ 1946ء) بنارس میں منعقد ہوا، جس میں کل متحدہ ہندوستان کے تقریباً پانچ ہزار جلیل القدر علماء و مشائخ شریک ہوئے۔ عوام کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی۔ ایسا عظیم الشان اجلاس آج تک کہیں منعقد نہ ہو سکا۔ اس اجلاس میں بالاتفاق درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔ (حیات صدرالافاضل، ص ۱۸۹، ۱۹۰)

اس اجلاس نے تحریک پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی اور نظریہ پاکستان کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ بلاشبہ اس اجلاس کو قیام پاکستان کیلئے سنگ میل کہا جاتا ہے اور حضرت صدرالافاضل جو اس اجلاس کے عظیم رکن تھے، کو بنیان پاکستان کی صف میں شمار کرنے میں تامل نہیں ہو سکتا۔ قیام پاکستان کے بعد 1947ء میں حضرت صدرالافاضل، حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی، تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی اور مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی (رحمہم اللہ تعالیٰ) بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے لاہور پہنچے اور مقامی علماء و زعماء سے پاکستان کے اسلامی دستور کے بارے میں گفتگو کی۔ بعدازاں کراچی تشریف لے گئے اور اسی موضوع پر مقامی علماء و زعماء سے بات چیت کی۔ بالآخر طے پایا کہ حضرت صدرالافاضل اسلامی دستور کا خاکہ مرتب فرمائیں، ہم اسے پاکستان کی اسمبلی میں منظور کرائیں گے۔ حضرت صدرالافاضل نے وعدہ فرمایا کہ میں مرادآباد جا کر اسلامی دستور کا خاکہ

مرتب کرکے بھیج دوں گا، مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، کراچی میں ہی آپ سخت علیل ہوگئے، چنانچہ آپ مختصر قیام کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے، مرادآباد تشریف لے گئے اور علالت کے باوجود دستور اسلامی کے چند دفعات ہی مرتب فرما سکے کہ پیام اجل آگیا۔

حضرت صدرالافاضل نے بے پناہ دینی وملی مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ آپ کی مقبول عام تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

۱ ...... تفسیر خزائن العرفان، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے ترجمہ قرآن پاک کنزالایمان پر قابل قدر حاشیہ۔

۲ ...... اطیب البیان رد تقویۃ الایمان

۳ ...... الکلمۃ العلیا (مسئلہ علم غیب میں محققانہ تصنیف)

٤ ...... سیرت صحابہ (وسیلہ جمیلہ)

۵ ...... سوانح کربلا (اردو ...... اس کا ترجمہ گجراتی زبان میں بھی ہوچکا ہے۔)

٦ ...... التحقیقات لدفع التلبیسات (المہند کا رد)

۷ ...... کتاب العقائد

۸ ...... زادالحرمین: حج وزیارت کے مسائل

۹ ...... آداب الاخیار

۱۰ ...... کشف الحجاب: ایصال ثواب کے موضوع پر (اس کا ترجمہ سندھی زبان میں بھی ہوچکا ہے۔)

۱۱ ...... اسواط العذاب .... وغیرہ وغیرہ۔

صدرالافاضل بدرالاماثل تحریک پاکستان کے عظیم رہنما حضرات مولانا سید محمد نعیم الدین مرآبادی قدس سرہ العزیز بروز جمعۃ المبارک ۱۸ ذی الحجہ، 23 اکتوبر (1367ھ 1947ء) رات کے بارہ بج کر چھبیس منٹ پر دارفانی سے سوئے فردوس روانہ ہوئے اور دنیائے سیت کو عظیم صدمے سے دوچار کرگئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کی مسجد کے بائیں گوشہ میں بنائی گئی۔

پروفیسر حامد حسین قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تاریخ وصال کہی۔

سب بے سروپا ہوگئے ایسا تھا مولانا کا غم   اے قادری خستہ جگر، تاریخ رحلت کر رقم

فضل وسخا، رشد وہدیٰ، حلم وحیا عدل وکرم   ہیں رونما اب درد وغم، قہر وجفا رنج وستم

صدر الشریعہ

مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز

نام و نسب و تحصیل علوم

مصنف بہار شریف صدر شریعت، بدر طریقت، حضرت مولانا شاہ، محمد امجد علی اعظمی ابن حکیم مولانا جمال الدین ابن مولانا خدا بخش ابن مولانا خیر الدین (قدست اسرارہم) 1296ھ 1878-79ء میں قصبہ گھوسی محلہ کریم الدین ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

(مولانا غلام مہر علی، الیواقیت المہریہ، ص ۷۹)

آپ کے والد ماجد اور جد امجد علم و فضل و فن طب میں یکتائے روزگار تھے۔ ابتدائی کتب جد امجد سے پڑھیں، بعد ازاں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بانی دار العلوم اشرفیہ مبارکپور و تلمیذ مولانا ہدایت اللہ جونپوری) سے علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر انہی کے مشورے سے استاد الکل مولانا ہدایت اللہ خان رام پوری ثم جونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یکم رمضان المبارک 1326ھ 1908ء) تلمیذ خاتم الحکماء اسیر جزائر انڈمن مولانا شاہ محمد فضل حق خیر آبادی سے اکتساب فیض کیلئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے۔ (مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت مطبوعہ بھوانی پور بہار، 1391ھ، ص ۵۱، ۵۲)

رات کو خدمت گزاری کیلئے حاضر ہوتے، تو استاد محترم تمام اسباق کا اعادہ کرا دیتے اور اگر کوئی فروگزاشت ہوجاتی تو اس کا ازالہ فرما دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ دور طالب علمی میں افہام و تفہیم کا ملکہ اتنا راسخ ہوگیا تھا کہ اگر قطبی پڑھتے تو شرح تہذیب دوسری طلباء کو با آسانی پڑھاتے تھے۔ (ماہنامہ پاسبان آلہ آباد......امام احمد رضا، نمبر مارچ و اپریل 1962ء۔ ص ۲۴)

علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حجۃ العصر، شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ (م 1334ھ 1916ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) میں درس حدیث لیا اور 1320ھ 1902ء میں سند حاصل کی۔ بعد ازاں 1323ھ میں حکیم عبد الولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

بارگاہ رضا میں حاضری

اسی اثناء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو مدرسہ منظر اسلام، بریلی میں مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولانا محمد امجد علی اعظمی کا نام پیش کیا، جسے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے بہت پسند فرمایا، چنانچہ آپ استاد محترم محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم کے کے مطابق پٹنہ کا مطب چھوڑ کر بریلی شریف آگئے۔ ابتداء تدریس کا کام شروع کیا، بعدازاں مطبع اہل سنت کا انتظام بھی آپ کے سپرد کردیا گیا۔ فتویٰ نویسی کا کام اس کے علاوہ تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی عشق رسالت اور اتباع شریعت سے معمور زندگی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل ہوئے اور بہت جلد خلافت سے نوازے گئے۔ اگرچہ آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کوئی کتاب سبقاً نہیں پڑھی تھی، لیکن فرماتے تھے کہ جو کچھ ہے، سب آپ ہی کا فیض کرم ہے۔ تقریباً اٹھارہ برس شیخ کامل کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مرشد شریعت وطریقت کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو جامع فضل وکمال بنادیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز بھی آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے اور فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا، آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقفیت ہوچلی ہے۔

(مفتی اعظم ہند: محمد مصطفےٰ رضا، ملفوظات حصہ اول۔ مطبوعہ کراچی، ص ۹۳)

تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مرا امجد، مجد کا پکا   اس سے بہت کچھیاتے یہ ہیں

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، الاستمداد۔ مطبوعہ لاہور، ص ۷۹)

ناقابل فراموش کارنامہ

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا ترجمہ قرآن مجید مسمی بہ اسم تاریخی کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن 1330ھ 1911ء افادیت، اہمیت اور دیگر تراجم پر فوقیت کے اعتبار سے محتاج بیان نہیں۔ صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی قدس سرہ کی مساعی جمیلہ سے معرض وجود میں آیا۔ امام احمد رضا بریلوی کو خود قرآن پاک کے ترجمہ کی ضرورت کا احساس تھا، لیکن تصنیف وتالیف اور دیگر علمی مصروفیات کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اس کام میں تاخیر ہوتی رہی۔ آخر ایک دن صدرالشریعہ، قلم، دوات اور کاغذ لے کر حاضر ہوگئے اور ترجمہ شروع کرنے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے اسی وقت ترجمہ شروع کردیا۔ پہلے پہل ایک آیت کا ترجمہ ہوتا، پھر محسوس کرکے کہ اس طرح تکمیل میں بہت دیر لگ جائیگی، ایک ایک رکوع کا ترجمہ ہونے لگا، اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدرالشریعہ اور دیگر علماء مستند تفاسیر کے ساتھ ترجمہ کے مطابقت تلاش کرتے۔ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ اعلیٰ حضرت جو ترجمہ تیاری اور مطالعہ کے بغیر لکھاتے ہیں اکثر تفاسیر کے مطابق ہوتا ہے اس سلسلے میں حضرت صدرالشریعہ بعض اوقات رات کے دودو بجے تک مصروف رہتے۔ (رضائے مصطفےٰ صدرالاشریعہ، شمارہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ، ص ۳)

آپ نے طویل عرصہ تک مدرسہ منظراسلام، بریلی شریف میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ 1343ھ 1924ء میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ (اجمیر شریف) کی صدارت کیلئے میر نثار احمد مرحوم متولی ومہتمم کا دعوت نامہ لے کر پہنچے لیکن آپ نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ میں شیخ کا آستانہ اور مدرسہ چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ انہوں نے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی طرف رجوع کیا۔ ان کی طرف سے اجازت ملنے پر آپ اجمیر شریف چلے گئے اور پوری جانفشانی اور محنت سے کام کیا۔ یہیں آپ نے وہ یگانہ روزگار افاضل تیار کیے، جن میں سے ہر ایک آسمان علم وفضل پر نیر تاباں بن کر چمکا۔ 1351ھ 1932ء میں میر نثار احمد مرحوم متولی سے بعض امور پر اختلاف کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت کیساتھ بریلی شریف چلے گئے۔ (مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۵۲)

اور تین سال تک منظراسلام، بریلی شریف میں درس دیا (مولانا غلام مہر علی، الیاقوت المہریہ، ص ۸۰) بعد ازاں نواب حاجی غلام خان شروانی رئیس ریاست داروں (علی گڑھ متوفی ۱۴ ربیع الاوّل 1362ھ 1943ء) کی دعوت پر بحیثیت صدر مدرس دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ (قائم کردہ نواب ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۴ رمضان المبارک 1354ھ 1935ء) میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بکمال حسن وخوبی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے 1356ھ 1937ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے امتحان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل وکمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا، مولانا امجد علی ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں سے ایک ہیں، جنہیں میں منتخب جانتا ہوں۔ (مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۵۳)

۱۴ رجب المرجب 24 مارچ (1339ھ 1921ء) کو بریلی میں جمعیت العلماء ہند کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے۔ جمعیت کے لیڈر اس جوش و خروش سے آئے تھے کہ گویا ہندو مسلم اتحاد کے مخالف علماء اہل سنت کو لاجواب کردیں گے۔ مولانا محمد امجد علی نے جماعت رضائے مصطفٰے (بریلی) کے شعبہ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکین جمعیت کے ہندؤں سے اتحاد و روداد کے بارے میں ستر سوالات پر مشتمل سوالنامہ (سوالنامہ اتمام حجت تامہ۔1339ھ کے نام سے چھپ چکا ہے، ملاحظہ ہو، دوامع الحمیر : مطبعہ مطبع حسنی بریلی، ص۴۰،۴۶) مرتب کر کے قائدین جمعیت کو بھجوادیا، بار بار اصرار اور مطالبہ کے باوجود انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے نام ایک مکتوب میں اس سوالنامہ کے بارے میں اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے:

سیدی، دامت برکاتہم سلام نیاز کے بعد گزارش، حضور سے رخصت ہو کر مکان پہنچا، یہاں آکر میں نے تمام حجت تامہ کا مطالعہ کیا، فی الواقع یہ سوالات فیصلہ ناطقہ ہیں اور یقیناً ان سوالات نے مخالف کو مجال گفتگو اور راہ جواب باقی نہیں چھوڑی ہے۔ (دوامع الحمیر : مکتوب صدر الافاضل، ص۵۴،۵۵)

ابوالکلام آزاد نے روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر کہا، ان کے جس قدر اعتراضات ہیں، حقیقت میں سب درست ہیں، ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں؟ جن کا جواب نہ ہوسکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے۔ (ایضاً ص۵۶،۵۷)

بہار شریعت

صدرالشریعہ کی شہرہ آفاق تصنیف بہار شریعت ہے۔ یہ کتاب حنفی فقہ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہے اس کے سترہ حصے طبع ہوکر قبولیت عامہ کی سند حاصل کرچکے ہیں۔ اس کتاب نے نہ صرف عوام بلکہ علماء کیلئے سہولت پیدا کردی ہے۔ مولانا مفتی صاحبزاد رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں دیگر ماخذ کے ساتھ بہار شریعت کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے۔ اس سے ایک تو ماخذ کی نشاندہی ہوجاتی، دوسرا اس کے مستند ہونے کا اظہار بھی ہوجاتا۔ اس کی ابتدا غالباً 1334ھ 1016ء میں ہوئی اور 1362ھ 1943ء میں تکمیل ہوئی۔ (ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام احمد رضا)، ص ۲۹۔ ۷۱) باوجود یہ کہ صدرالشریعہ کا شھب قم سریع السیر تھا۔ لیکن کثرت کار کی وجہ سے اتنی تاخیر ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اس کتاب کی تصنیف میں موماً یہی ہوا کہ ماہ رمضان المبارک کی تعطیل میں جو کچھ دوسرے کاموں سے وقت بچتا، اس میں کچھ لکھ لیا جاتا۔ (صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی، بہار شریعت، ج ۱۷، ص ۱۰۰)

حضرت صدرالشریعہ چاہتے تھے کہ اس کتاب کے مزید تین حصے لکھ کر اسے مکمل کردیتے۔ اس عزم کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

ابھی اس کا آخری تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا۔ اگر توفیق الٰہی سعادت کرتی اور یہ بقیہ مضامین بھی تحریر میں آجاتے تو فقہ کے جمیع ابواب پر، یہ کتاب مشتمل ہوتی اور کتاب مکمل ہوجاتی۔ (ایضاً۔ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

لیکن ہجوم حوادث تکمیل کی راہ میں حائل ہوا اور آپ کی ہی مبارک آرزو پوری نہ ہوسکی، ذرا آپ بھی دردالم کی داستان سنئے، جس کا تصور ہی دل حساس کو لرزا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:

۷ شعبان المعظم (1357ھ 1939ء) کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا اور ۲۵ ربیع اولال (1359ھ 1940ء) کو میرے منجھلے لڑکے مولوی محمد یحییٰ کا انتقال ہوا۔ شب دہم رمضان المبارک (1359ھ 1940ء) کو بڑے لڑکے مولوی حکیم شمس الہدیٰ نے رحلت کی۔ ۲۰ رمضان المبارک (1362ھ 1943ء) کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ مرحوم کا دادو (ضلع علی گڑھ) میں انتقال ہوا اور اسی دوران میں مولوی شمس الہدیٰ مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور ان کی اہلیہ کا اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم کے ایک لڑکے کا اور مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کی اہلیہ اور بچی کا انتقال ہوا۔ (صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی، بہار شریعت، ج ۱۷، ص ۱۰۱)

چار سال میں گیارہ عزیزوں کی جدائی نے دل و دماغ میں اس قدر گہرا اثر ڈالا کہ بینائی زائل ہوگئی اور نہ صرف بہار شریعت کی تالیف کا کام رک گیا بلکہ شریعت کے انداز پر مسائل تصور پر مشتمل کتاب (جو ابھی زیر تجویز تھی) کا آغاز بھی نہ ہوسکا۔

حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

اپنا ارادہ تو یہ تھا کہ اس کتاب (بہار شریعت) کی تکمیل کے بعد اسی نہج پر ایک دوسری اور کتاب بھی لکھی جائے گی جو تصوف اور سلوک کے مسائل پر مشتمل ہوگی، جس کا اظہار اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا، ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔ (ایضاً۔ص ۱۰۱)

بہار شریعت کا دوسرا حصہ پہلے لکھا گیا۔ بعد ازاں عقائد ضروریہ پر مشتمل پہلا حصہ لکھا گیا۔ اس کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی نے حرف بحرف سنے، جا بجا اصلاح فرمائی اور ان حصوں کو تقریظ سے مزین فرمایا۔

تقریظ کے درج ذیل الفاظ لائق تحسین و مطالعہ ہیں:۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے مسائل طہارت میں یہ مبارک رسالہ بہار شریعت تصنیف لطیف اخی فی اللہ، ذی المجد ولجاہ، والطبع السلیم والفکر القویم، والفضل والعلیٰ، مولانا ابو العلی مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی (اعظمی کی تفسیر یہ ہے کہ صدر الشریعہ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب اور حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرب پر تھے اور نسبت سکونت اعظم گڑھ کی طرف رکھتے تھے۔ اعظم گڑھ کی نسبت سے اپنے آپ کو اعظمی کہنے کے موجد صدر الشریعہ تھے، ورنہ آپ سے پہلے لوگ اعظم گڑھی لکھا کرتے)۔ (ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا، نمبر ۱۷)

الحمد للہ! مسائل صحیحہ رجیحہ، محقق منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی و اغلاط کے مصنوع ملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔

کتب فقہ میں بہار شریعت کی امتیازی خصوصیات یہ ہے کہ ہر باب کی ابتداء میں پہلے آیات مبارکہ سے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آیات کریمہ سے ان مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بعد ازاں فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے مسائل جزئیہ باحوالہ نقل کیے گئے ہیں، اسی لئے حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز الرضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حنفی فقہ میں بہار شریعت کے سترہ حصص اردو میں تصنیف فرما کر ملت مسلمہ پر وہ احسان فرمایا ہے، جس کا جواب نہیں۔

اولاد امجاد

اللہ تعالیٰ نے صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سعادت مند اولاد سے نوازا تھا۔ آپ نے لڑکیوں سمیت اپنی تمام اولاد تک علوم دینیہ سے بہرہ ور فرمایا۔ صاحبزادے (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) آپ کی حیات میں ہی داغ مفارقت دے گئے تھے، اس وقت آپ کے چار صاحبزادے علم وفضل موجود ہیں، جن کے نام یہ ہیں: مولانا علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ کراچی۔ مولانا حافظ رضاالمصطفیٰ خطیب جامعہ میمن مسجد کراچی۔ مولانا ثناءالمصطفیٰ اور مولانا ضیاءالمصطفیٰ۔ (صدرالشریعہ رضائے مصطفیٰ، نمبر شمارہ ۲ ذیقعدہ 1379ھ، ص ۸)

اوّل الذکر علامہ ازہری مدظلہ العالی جمعیت علمائے پاکستان کے ممتاز رہنما اور قومی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ حق وصداقت کی آواز پوری بے باکی سے بلند کر رہے ہیں اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحفظ کیلئے سرگرم عمل ہیں۔

(افسوس کہ علامہ ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ١٦ ربیع الاول ١٤١٠ھ ، 18 اکتوبر 1989ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

سفر مدینہ اور سفر آخرت

حضرت صدرالشریعہ، بریلی شریف کے قیام کے دوران 1337ھ 1922ء میں پہلی مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ واپسی پر حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری کا اشتیاق ہر وقت بے چین کئے رکھتا۔ آخر ۲۰ شوال المکرم 26 اگست (1367ھ 1947ء) کو وہ دِن آگیا، جس سے دوسرے دن اس مبارک سفر پر روانگی تھی۔ اس وقت شوقِ زیارت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا، رخصت کے وقت عقیدت مندوں کا جم غفیر الوداع کہنے کیلئے اسٹیشن پر پہنچا۔ آپ نے الوداعی خطاب فرمایا تو ہر شخص کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوگیا۔ آخر میں آپ نے فرمایا، حقوق العباد میں مجھ سے کوئی فروگزاشت ہوگئی ہو تو آپ لوگ مجھے معاف کردیں، فقیر کے حقوق جن پر ہوں، میں نے سب کو معاف کئے۔ گاڑی میں سوار ہوئے تو راستے میں شدید بخار ہوگیا۔ شدت بخار میں یہ شعر زبان پر رہا ؎

مرضت شوقا و مت ہجرا فکیف اشکو الیک شکوی

بعض خدام نے عرض کیا، حضور ایسی حالت میں سفر ملتوی فرمادیں۔ فرمایا، اگر حج و زیارت میری قسمت میں ہوا تو روانگی کی تاریخ تک اچھا ہو جاؤں گا اور اگر عمر کا پیمانہ لبریز ہی ہو چکا ہے تو اس سے بڑھ کر کونسی فیروز مند موت ہو سکتی ہے کہ راہِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی جان دے دوں۔ (رضائے مصطفٰے، گوجرانوالہ (صدرالشریعہ)، ص۸)

3 ستمبر بروز جمعہ بمبئی پہنچے، تو ڈاکٹر نے بتایا نمونیہ کا عارضہ ہوگیا۔ ۲ ذیقعدہ 6 ستمبر بروز دوشنبہ (1367ھ 1947ء) رات کے گیارہ بجے سکرات کا عالم طاری تھا، اسی عالم میں دونوں ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی مگر ایک ہاتھ نہ اٹھ سکا۔ اسی طرح نماز کی نیت باندھی اور کچھ پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک ہچکی آئی اور قاصد مدینہ طیبہ کی طرف روح پرواز کرگئی۔ (ایضاً۔ ص۸)

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئے تھی سفینے میں

ماہ و تاریخ وصال درج ذیل آیت قرآن ہے:۔

ان المتقین فی جنت و عیون

(ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا)، ص۴۷۔ 1367ھ)

مبلغ اسلام

حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ العزیز

محسن ملت، نازش اہلسنت، مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ابن حضرت مولانا محمد عبدالحکیم قدس سرہما 15 رمضان المبارک 13 اپریل (1310ھ 1896ء) کو میرٹھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد عظیم المرتبت درویش صفت عالم دین اور بلند پایہ شاعر تھے۔ جوش تخلص کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن پاک پڑھ لیا، اردو فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ قومیہ میرٹھ میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں درس نظامی کی سند حاصل کی۔

آپ کو چونکہ شروع سے ہی تبلیغ اسلام کا شوق تھا، اس لئے علوم جدیدہ حاصل کرنے کیلئے اٹاوہ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا اور پھر ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا۔ 1917ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا، کالج کی چھٹیوں کے دِنوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں بریلی شریف میں حاضر ہوکر اکتساب فیض کرتے رہے۔

میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ دیا، وہ برما اور سیلون میں مقبول عام ہوا اور برما کے احباب سے دینی نشر و اشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی، وہ مستقبل کے تبلیغی مشن کیلئے بنیاد ثابت ہوئی۔

آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے اور انہی کے ایماء وارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کیلئے وقف کردی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دُنیا کے کونے کونے میں پہنچایا، محسن ملت امام اہلسنت کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنے تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عبد علیم کے علم کو سن کر جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

(امام اہلسنت، احمد رضا بریلوی، الاستمداد (نوری کتب خانہ لاہور) ص ۷۹)

حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ ادیب اور عظیم مفکر اسلام تھے۔ جب آپ اپنی نغمہ ریز آواز میں دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکون چھا جاتا اور بڑے بڑے سائنسدان، فلاسفر اور دہریہ قسم کے لوگ آپ کے دست اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ آپ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں اس روانی سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہل لسان ورطہ حیرت میں رہ جاتے۔ آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دین فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا، جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ وہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

17 اپریل 1935ء کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈشا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے برناڈشا کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیئے کہ دنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفل کتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ برناڈشا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اس گفتگو کا اردو ترجمہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت، کراچی...... شمارہ محرم و صفر 1392ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

ملک العلماء

حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھتیجے محترم حکیم نصیر الدین مدظلہ (مالک نظامی دواخانہ، کراچی) نے ایک مکتوب میں تحریر کیا تھا کہ مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ (جھنگ) علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے ایسے باکمال شاگرد تھے کہ اگر وہ پس پردہ بیٹھ کر پڑھا رہے ہوتے تو علامۃ الہند کا کوئی جاننے والا پہچان نہیں سکتا تھا کہ مولانا محمد حسین پڑھا رہے ہیں، یا علامۃ الہند؟ غرض یہ کہ وہ ہو بہو اپنے استاد کی کاپی تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے تو ایسے کئی شاگرد تھے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامت یہی کہئے کہ ان کے تلامذہ اور خلفاء نہ صرف علم وفضل بلکہ صلابت دینی میں بھی ان کے مظہر تھے، ان میں سے ایک ممتاز ہستی حضرت مولانا علامہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے باکمال اساتذہ مثلاً حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے اکتساب فیض کیا، مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کے خاص تلامذہ مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور مولانا حامد حسن رامپوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا، تاہم جس ہستی سے وہ سب سے زیادہ مستفیض اور متاثر ہوئے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز تھے۔ ملک العلماء بریلی شریف امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اتنے متاثر ہوئے کہ محرم الحرام 1322ھ 1904ء میں آپ کے دست اقدس پر بیعت ہو گئے۔ ملک العلماء کو شوق پیدا ہوا کہ درسیات کی تکمیل امام احمد رضا سے کروں لیکن وہ ہر وقت مطالعہ اور تصنیف میں مصروف رہتے تھے، نیز ان کے ہاں کوئی مدرسہ بھی نہ تھا، ملک العلماء کے جنون خیز علمی شوق کی کرامت دیکھئے کہ انہوں نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسن رضا بریلوی اور بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کو تیار کیا اور ان کی کوشش سے امام احمد رضا خاں بریلوی کو مدرسہ منظر اسلام، محلہ سوداگراں، بریلی شریف قائم کرنے پر راضی کیا، مدرسہ کا نام تاریخی ہے۔ جس سے 1322 عدد برآمد ہوتے ہیں۔ اسی سال یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ مولانا ظفر الدین بہاری اور ان کے ہم وطن دوست مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی ان دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔

ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی سے 'صحیح بخاری شریف' 'اوقلیدس' کے چھ مقالے 'تصریح شرح چغمینی' مکمل کرکے علم توقیت، جفر اور تکسیر وغیرہ فنون حاصل کئے۔ تصوف کی کتابوں 'عوارف المعارف' اور 'رسالہ قشیریہ' کا بھی درس لیا۔ شعبان 1325ھ 1907ء میں علماء کے جم غفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی کی فرمائش پر حضرت مخدوم شاہ حیات احمد قدس سرہ سجادہ نشین ردولی شریف نے دستار فضیلت باندھی اور سند عطا کی، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی نے آپ کو تمام سلاسل میں خلافت واجازت مطلقہ سے نوازا اور 'ملک العلماء' 'فاضل بہار' کا لقب عطا فرمایا۔ ملک العلماء امام احمد رضا خاں بریلوی کے عزیز ترین اور مایہ ناز شاگرد اور خلیفہ تھے۔ کبھی اپنے مکتوبات میں انہیں لکھتے:

جیبسی و ولدی و قرۃ عینی

(میرے پیارے، میرے بیٹے، میری آنکھوں کی ٹھنڈک)

اور کبھی یوں تحریر فرماتے: جان پدر بلکہ از جان بہتر۔

ملک العلماء کے بارے میں امام احمد رضاخاں بریلوی کے تاثرات کا مرقع وہ مکتوب ہے جو انہوں نے انجمن نعمانیہ، لاہور کے ناظم خلیفہ تاج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو 5 شعبان المکرّم 1327ھ کو ارسال کیا، اس میں فرماتے ہیں:

مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجاں عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اسکے علاوہ جکار افتاء میں میرے معین ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں...... عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں...... مفتی ہیں...... مصنف ہیں...... واعظ ہیں...... مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں...... علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام احمد رضاخاں بریلوی نے الاستمداد کے نام سے تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا، جس میں ذکر اصحاب و دعائے احباب کے عنوان سے اپنے خلفاء اور خصوصی احباب کا تذکرہ فرمایا، تیسرے نمبر پر ملک العلماء فاضل بہار کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے   اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

غرض یہ کہ تمام زندگی تعلیم، تبلیغ و تصنیف اور خدمت دین میں بسر فرمائی اور قابل صد فخر کارنامے انجام دیئے۔

ملک العلماء کی زندگی کے آخری دو سال تصنیف و تالیف، وعظ و ہدایت اور فتویٰ نویسی میں صَرف ہوئے۔ جس رات ان کی رحلت ہوئی اس رات بھی آپ نے چار خطوط تحریر کئے۔ وہ بلڈ پریشر کے مریض تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے روزانہ کے دینی معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ 19 جمادی الآخرۃ 1372ھ 18 نومبر 1962ء کی رات ذکر جہر اللہ کرتے ہوئے جاں آفریں کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ...... دسویں گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 1028ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

(ڈاکٹر مختار الدین احمد، حیات ملک العلماء، ص ۱۶)

ام المحدثین

حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز

مرجع الفقہاء والمحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی 1273ھ 1856ء بروز پیر محلّہ نواب پورہ الور میں پیدا ہوئے۔ (مولانا غلام مہر علی، الواقیت المہریہ، ص ۱۱۷) آپ کے عم مکرم، باخدا بزرگ مولانا سید نثار علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا، بیٹی! تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دین مصطفوی کو روشن کرے گا، اس کا نام دیدار علی رکھنا۔ (عبدالنبی کوکب، قاضی، اخبار جمیعت لاہور، 7 فروری 1985ء، ص ۳)

آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباء واجداد مشہد سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے۔

آپ نے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں الور میں مولانا قمرالدین سے پڑھیں، مولانا کرامت اللہ خان سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورہ حدیث کی تکمیل کی، فقہ ومنطق کی تحصیل مولانا ارشاد حسین رام پوری سے کی، سند حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی سے حاصل کی، حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادی کے مرید اور خلیفہ تھے، سلسلہ چشتیہ میں حضرت مولانا سید علی حسین کھوچھوی اور سلسلہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلفیہ مجاز ہوئے۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت لاہور، ص ۲۶۸، ۲۶۹)

حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ اور صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے درمیان بڑے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صدرالافاضل نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ذکر کیا اور ملاقات کی رغبت دلائی، حضرت سید المحدثین نے فرمایا، بھائی مجھے ان سے کچھ حجاب سا آتا ہے، وہ پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے طبیعت سخت ہے۔

لیکن حضرت صدرالافاضل دوستانہ روابطہ کی بناء پر بریلی لے ہی گئے، ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا نے عرض کی حضور مزاج کیسے ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، بھائی کیا پوچھتے ہو پٹھان ذات ہوں طبیعت کا سخت ہوں۔ کشف کی یہ کیفیت دیکھ کر مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے، سر عقیدت نیاز مندی سے جھکا دیا، اس طرح بارگاہ رضوی سے نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم ہوگیا۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت لاہور، ص ۲۶۸، ۲۶۹)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ اور آپکے قابل صد فخر فرزند مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات مدظلہ العالی کو تمام کتب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت فرمائی۔ (امام المحدثین دیدار علی شاہ، مقدمہ میزان الادیان تفسیر القرآن، ص ۸۰) اور اجازت وخلافت عطا فرماتے ہوئے تمام اَوراد و ظائف کی اجازت فرمائی۔ تکمیل علوم کے بعد ایک سال مدرسہ اشاعت العلوم، رامپور میں رہے۔ 1325ھ 1907ء میں الور میں قوت الاسلام کے نام سے ایک دار العلوم قائم کیا پھر لاہور تشریف لا کر جامعہ نعمانیہ میں فیض تدریس انجام دیتے رہے۔ 1335ھ 1917ء میں مولانا ارشاد حسین رامپوری کے ایماء پر آگرہ میں شاہی مسجد کے خطیب اور مفتی کے حیثیت سے تشریف لے گئے۔ 1340ھ 1922ء میں دوبارہ لاہور تشریف لائے۔ (نقوش، لاہور، ص ۹۲۹) اور مسجد وزیر خاں میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ 1343ھ 1925ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دار العلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جہاں سے سینکڑوں علماء فضلاء اور مدرسین پیدا ہوئے، آج پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہوگا جہاں حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علماء دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں۔ (مولانا غلام مہر علی، الیواقیت المہریہ، ص ۱۱۹)

23 رجب المرجب 20 اکتوبر 1354ھ 1935ء کو اپنے ربّ کریم کے دربار میں حاضر ہوئے اور جامع مسجد اندرون دہلی دروازہ لاہور میں دفن ہوئے، مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قطعہ تاریخ وصال کہا، جس کا تاریخی شعر یہ ہے۔

حافظ پس سرکوبی اعداء شریعت دیار علی یافتہ دیار علی را

(1354ھ)

کشف و کرامات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ایک روز اعلیٰ حضرت اپنی مسجد کے سامنے تشریف فرما تھے۔ عمر مبارک اس وقت تین ساڑھے تین برس تھی، ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ گر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ آپ نے فصیح و بلیغ عربی میں ان سے کلام کیا۔ اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہیں دیکھا نہ آپ نے بتلایا کہ وہ کون بزرگ تھے اور ان سے کیا گفتگو ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کو عربی زبان دانوں نے بھی کھلے دل سے تسلیم کیا۔ کیونکہ آپ کو یہ عطیہ خداوندی ملا تھا۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ آپ اپنے استاد محترم سے کلام اللہ شریف کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ استاد محترم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھانے کے بعد الف، با تا جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا۔ اعلیٰ حضرت ان کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب الف لام کی نوبت آئی تو استاد نے فرمایا کہ کہو لام الف۔ اعلیٰ حضرت خاموش رہے۔ استاد نے مکرر کہا کہ میاں لام الف، حضور نے فرمایا یہ دونوں تو پڑھ چکے۔ لام بھی پڑھ چکے، الف بھی پڑھ چکے یہ دوبارہ کیسا۔

اس وقت اعلیٰ حضرت کے جد امجد مولانا رضا علی خان قدس سرہ العزیز نے جو کہ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے، فرمایا کہ بیٹا استاد کا کہنا مانو جو کہتے ہیں پڑھو۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے جد امجد کے چہرے کی طرف نظر اٹھائی، اعلیٰ حضرت کے جد امجد نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا کہ بچے کو شبہ ہے کہ یہ حروف مفردہ کا بیان ہے۔ اب ان میں ایک مرکب لفظ کیسا آیا ورنہ یہ دونوں حرف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں، اگرچہ بچے کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا اور سمجھ سے بالا خیال کیا جاتا مگر ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات والی بات تھی۔

مولانا رضا علی خان صاحب نور باطنی سے سمجھ گئے کہ یہ بچہ کچھ ہونے والا ہے۔ اس لئے ابھی سے اسرار و نکات کا ذکر ان کے سامنے مناسب جانا اور فرمایا بیٹا تمہارے خیال کو درست سمجھنا بجا ہے مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقۃً وہ ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن ہے۔ اس لئے ایک حرف یعنی لام اوّل میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا تو کوئی بھی ایک حرف ملا دینا کافی تھا۔ اتنے حروف کے بعد لام کی کیا خصوصیت ہے با، تا، دال اور سین بھی لا سکتے تھے۔ حضرت نے غایت محبت اور جوش سے گلے لگایا اور دل سے بہت دعائیں دیں۔ پھر فرمایا کہ الف اور لام میں صورتا مناسب خاص ہے۔ ظاہرہ لکھنے میں بھی دونوں کی ایک ہی صورت ہے لا پالا اور سیرہ اس وجہ سے لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام (لام ام) ہے یعنی یہ اس کے بیچ میں وہ اس کے بیچ میں۔

کہنے کو تو اعلیٰ حضرت کے جدامجد نے اس لام الف کو مرکب لانے کی وجہ بیان فرمائی مگر سچ پوچھیں تو باتوں باتوں میں سب کچھ بتا دیا اور اسرار وحقائق کے رموز اور اشارات کے دریافت اور ادراک کی صلاحیت و قابلیت اسی وقت سے پیدا فرمادی جس کا اثر سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شریعت میں وہ اگر امام ابوحنیفہ کے قدم بقدم ہیں تو طریقت میں حضور پُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نائب اکرم ہیں۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ استاد صاحب کسی آیت مبارک میں بار بار زیر بتا رہے تھے اور آپ زبر پڑھ رہے تھے۔ یہ کیفیت اعلیٰ حضرت کے جدامجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب بھی ملاحظہ کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو قریب بلوایا اور فرمایا کہ جس طرح استاد صاحب کہتے ہیں اسی طرح پڑھو۔ لیکن اس دوران اندر سے کلام اللہ شریف منگوا کر جو ملاحظہ کیا تو اس آیت کو جس طرح حضرت پڑھ رہے تھے وہی درست طریقہ تھا۔ یعنی یہ کتاب کی غلطی تھی مگر اعلیٰ حضرت کی زبان حق شناس نے اس غلطی کو بہت ہی کمسنی میں پکڑ لیا۔

مولانا رضا علی خان صاحب نے آپ کو گلے لگا کر خوب پیار کیا اور پوچھا کہ استاد صاحب جس طرح تمہیں بتاتے تھے کیوں نہیں پڑھتے تھے۔ عرض کیا کہ میں ارادہ ضرور کرتا تھا کہ جس طرح استاد صاحب کہہ رہے ہیں پڑھوں مگر زبان پر قابو نہیں پاتا تھا۔

حضرت مولانا علی خان صاحب نے مولانا صاحب کو فرمایا کہ یہ واقعی کتابت کی غلطی ہے، احمد رضا بالکل درست پڑھ رہے ہیں۔

یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ آپ نے اس وقت عربی زبان میں زیر زبر کی غلطی نہ کی۔ بلکہ یوں کہئے کہ قدرت کاملہ نے غلطی ہونے ہی نہ دی۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ کی سرشت میں غلطی کا امکان ہی نہ تھا۔ یہی عظمت ہمیں اعلیٰ حضرت کی پوری حیات مبارکہ میں نظر آتی ہے کہ پوری زندگی میں مخالفین کی بھرپور کوششوں کے باوجود ایک غلطی بھی ثابت نہ کر سکے۔ بہتان تراشیوں کی بات نہیں۔ بہتان تراشنا اور بات ہے کہ جبکہ اس کو ثابت کرنا اور بات ہے۔

اعلیٰ حضرت کی انگریز دشمنی ضرب المثل کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ اوّل تو کسی چیز کو ترک نہیں فرماتے تھے اور اگر ترک فرمادیا تو پھر کبھی اس کو اختیار نہیں فرماتے تھے۔ یہی حال یوں نظر آیا کہ ایک مرتبہ کسی بات پر آپ نے فرمایا کہ انگریز کی عدالت میں تو میری جوتی بھی نہیں جائے گی۔ اس بات کو مخالفین نے سن لیا اور اب ان لوگوں نے کوششیں شروع کر دیں کہ کسی بھی طرح اعلیٰ حضرت کو کچہری تک لایا جائے۔ مگر دربار مصطفیٰ کے مسافر کو نیچا دکھانا بھلا ان بدبختوں کے نصیب میں کہاں تھا۔

حضرت حسنین رضا خان صاحب رقمطراز ہیں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ انگریز اور اس کی کچہری سے سخت متنفر تھے۔ یہ بات عام طور پر بہت مشہور تھی۔ مخالفین کو اعلیٰ حضرت قبلہ کو پریشان کرنے کیلئے یہی پہلو پسند آیا، پہلے بریلی کے وہابیوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے خلاف ایک وہابی طالب علم سے جنس بے جا کا دعویٰ دائر کروایا۔ اس وقت اکبر علی برادر حقیقی مولانا اشرف علی تھانوی کی چنگی میں سیکرٹری تھے۔ انہوں نے بھی خوب ہوا دی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی ہمدردی کے لئے محمد فاروق صاحب کوتوال شہر تھے۔ ان کی ایک بات پر اللہ تعالیٰ نے مقدمہ بلا حاضری خارج کروادیا۔

چند روز کے بعد بدایوں والوں نے ایک وکیل کے محرر سے لائبل کیس چلوایا اور رفتہ رفتہ سارا بدایوں اس میں شریک ہوگیا۔ بجز دو تین معزز خاندانوں کے سبھی خاندان خلاف تھے اور اعلیٰ حضرت کی کچہری کی حاضری کیلئے سخت کوشاں تھے۔ اس کا سرکار دو جہاں کے صدقے میں ربّ العزت نے خود انتظام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کام تو اسی شان کے ہوتے ہیں۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ لڑائی محض کچہری تک جانے کی تھی۔ مگر اس وقت سے بہت تیز ہوگئی تھی، جس وقت سے اعلیٰ حضرت قبلہ نے یہ فرمادیا تھا:

احمد رضا کی خدا چاہے تو جوتی بھی کچہری نہ جائے گی

مولوی حشمت اللہ صاحب رضوی اس وقت فتح گڑھ میں جنٹ مجسٹریٹ تھے وہ مقدمے کی پہلی تاریخ کو بدایوں آئے تو اعلیٰ حضرت کی طرف سے مقدمے کی کوئی خاص پیروی نہ ہو رہی تھی۔ مولوی حشمت اللہ صاحب کی پنشن کا زمانہ قریب آچکا تھا۔ انہوں نے بدایوں سے فتح گڑھ پہنچ کر پنشن کی درخواست دے دی اور چھٹی لے کر مستقل بدایوں آگئے۔ کیونکہ وہ ملازمت کے دوران وکالت کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس مقدمے کی پیروی اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ انہوں نے مقدمہ خوب لڑایا۔

اعلیٰ حضرت کے پہلے سمن آئے پھر حاضری وارنٹ آتے رہے اور یہ سلسلہ مہینوں چلتا رہا۔ مقدمے میں دیگر ملزمان مولوی محمد رضا خان صاحب برادر خورد اعلیٰ حضرت، مولانا حامد رضا خان صاحبزادہ کلاں اعلیٰ حضرت، صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب شاگرد رشید و خلیفہ اعلیٰ حضرت، حاجی شاہد علی خاں صاحب ہمشیر زادہ اعلیٰ حضرت یہ چاروں حضرت برابر پیشی پر جاتے رہے۔ مقدمہ چلتا رہا۔ مگر اعلیٰ حضرت کبھی پیش نہ ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کی حاضری کیلئے مخالفین کی کوششیں جاری رہی۔

مولوی حشمت اللہ صاحب جنٹ مجسٹریٹ اور نواب حامد علی خان صاحب والئی رام پور میں اچھے خاصے مراسم تھے۔ جب مولوی حشمت اللہ رام پور گئے تو نواب صاحب نے اس مقدمے کا حال احوال دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ کچہری کی حاضری کی لڑائی ہے۔ اعلیٰ حضرت کچہری جانا نہیں چاہتے اور مخالفین انہیں حاضر کرانا چاہتے ہیں۔ نواب صاحب نے از خود کہا کہ مٹن صاحب گورنر پرسوں میرے ہاں دعوت پر آرہے ہیں اور کمشنر بریلی بھی مدعو ہیں۔ گورنر اور کمشنر سے خود کہوں گا۔

چنانچہ جب گورنر دعوت میں رام پور پہنچے تو نواب صاحب والئی رامپور نے اعلیٰ حضرت کے مقدمہ کا قصہ گورنر سے کہا۔
گورنر نے کمشنر کی طرف دیکھا۔ کمشنر نے کہا کہ بریلی میں بھی اس مقدمے بازی کی بڑی ہل چل ہے۔ اس مقدمے سے بریلی کی عوام میں عام بے زاری پھیلی ہوئی ہے۔ اگر حکم ہو تو مولوی احمد رضا صاحب کو کچہری کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔
چنانچہ بریلی آ کر اس نے کلکٹر بریلی کو مستثنیٰ کرنے کا حکم دے دیا۔
اسکے بعد مقدمے کے دیگر ملزمان کے سمن تھے اور اعلیٰ حضرت کا وارنٹ نہ تھا۔ اس بات کی گھر والوں کو پوری اطلاع کئی روز بعد ملی کہ استثنیٰ کی تحریک دربار رام پور سے چلی تھی یہاں آ کر اس پر عمل درآمد ہو گیا۔ یہ تھی تائید غیبی کہ اہل معاملہ بے خبر ہیں اور اللہ تعالیٰ دوسروں سے کام لے رہا ہے۔ اس تائید غایبی نے ہر معاملہ میں ان کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر معاملہ میں ان کے حاسد دشمنوں کو انجام پر ندامت ہی نصیب ہوئی۔ کوئی مخالف انجام کار سے خوش نہ ہو سکا اور خود انہوں نے ان معاملات میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی۔ اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے اور ان کے اہم معاملات میں قدرتی طور پر ہمیشہ مردے از غیب بیرون ایدو کارے بکند کا مظاہرہ ہو کر رہتا ہے۔
اعلیٰ حضرت کو حاضری سے مستثنیٰ قرار دینے کے بعد مقدمہ میں جان کہاں رہ گئی تھی۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد مقدمہ خارج ہو گیا۔
جب مقدمہ اعلیٰ حضرت کے بغیر خارج ہو گیا تو بریلی میں جشن کا سماں پیدا ہو گیا۔ بریلی میں لوگوں نے آپ کو مبارکبادیں بھیجنا شروع کیں۔ ان میں چند مبارکبادیں تو بڑے بڑے جلوسوں کے ساتھ آئیں۔ جن میں نعت خواں حضرات کی ٹولیاں نعت و منقبت کے ساتھ شہر کا گشت کرتی ہوئی آئیں۔ اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ چند روز سے نو محلّہ کی کوٹھی کے متعلقہ مکانوں میں مع گھر بار کے تشریف فرما تھے۔ مبارکیوں کے سارے جلوس نو محلّہ میں ہی جاتے رہے اور مبارکباد کا یہ سلسلہ کم و بیش ایک ماہ تک چلتا رہا۔
شروع میں مبارکبادیاں بھی زیادہ آئیں اور جلوس بھی بڑے آئے مگر پھر کم ہوتے گئے۔ مبارکیوں کے سلسلے کے دوران بریلی میں بڑا جشن منایا گیا۔ ہر مبارکی میں مٹھائی کی بہتات رہی۔ بعض مبارکیوں میں اسی اور نوے تک مٹھائی کے خوانوں کی تعداد پہنچ گئی۔ ہر مبارکی میں کافی لوگ شریک ہوتے تھے۔ یوں مٹھائیوں کی مقدار بڑھ جاتی تھی۔ تین مبارکیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک سوداگری محلّہ کی اور دوسری مداح الحبیب مولوی جمیل الرحمٰن خان کی تیسری پرانے شہر سے جو نواب خاندان والوں کی قیادت میں گئی تھی اس میں ان کے محلّہ والے جن میں سقہ صاحبان شریک تھے۔ لوگوں کا تو یہ کہنا تھا کہ یہ شاندار مبارکیاں کسی بادشاہ کے دور میں بھی نہیں دیکھی گئیں۔ مٹھائیوں کی تقسیم کا بھی ایک بڑا کام تھا جو کیا گیا تو ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کئی برس سے اعلیٰ حضرت کو جبل پور مدعو کر رہے تھے۔ ہر برس اس سلسلہ میں اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت دینی مصروفیات کی وجہ سے مسلسل پہلوتہی کرتے رہے۔ یہ 1336ھ کی بات ہے یوں تو پہلے بھی بار بار خطوط ارسال کئے جا چکے تھے اور متعدد قاصد بھی روانہ کئے تھے مگر اس مرتبہ مولانا عبدالسلام صاحب نے اپنے فرزند مولانا برہان الحق صاحب کو روانہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کو ہمراہ لیکر ہی آنا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اپنی دینی مصروفیات کی وجہ سے ہمیشہ طویل سفر سے اجتناب کیا، مگر اس مرتبہ تو بلاوا ہی اس قدر شدید تھا کہ انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بلاوا فقط آپ کے ہی لئے نہیں تھا بلکہ پورا گھرانہ، تمام خدام اور دارالافتاء کا سارا عملہ بھی مدعو تھا۔ دراصل مولانا موصوف اہل جبل پور کو اعلیٰ حضرت قبلہ کی روزمرہ زندگی کے معمولات دکھلانا چاہتے تھے اور یہ وہ وقت تھا کہ ان کی دلی مراد پوری ہو رہی تھی۔

جبل پور میں اعلیٰ حضرت اور آپ کے ساتھیوں کا قیام ایک ماہ رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس ایک ماہ میں ایسی شاندار مہمان نوازی کی گئی کہ مدت العمر فراموش نہیں ہوگی۔ جبل پور میں آپ کے قیام کا پہلا جمعہ تھا۔ آپ کے رفیق خاص حاجی کفایت اللہ نے آپ کیلئے غسل کا پانی کمرے میں لاکر رکھا اور ایک جوڑا کپڑوں کا بھی حاجی کفایت اللہ صاحب نے لاکر پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے جب کرتا کھول کر دیکھا تو وہ کسی قدر پھٹا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے وہ پھٹا ہوا کرتا حاجی صاحب کو دکھایا اور فرمایا کہ حاجی صاحب کیا آج جمعہ کے دن یہ پھٹا ہوا کرتا پہناؤ گے۔ حاجی صاحب وہ کرتا لے گئے اور دوسرا کرتا لاکر پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو دیکھا تو کورا ضرور تھا مگر بوتام ندارد تھے۔ اس قربت پر آپ کو جلال آ ہی گیا اور فرمایا کہ یہ حاجی یہ حاجی میرا مرکر بھی پیچھا نہ چھوڑیگا۔ آواز کس قدر کرخت تھی جو کہ دوسرے کمروں میں بھی سنی گئی۔ اب سننے والوں نے اعلیٰ حضرت کے ان الفاظ پر تبصرہ شروع کر دیا۔ کسی نے کہا کہ اس ارشاد کا مطلب کیا ہے۔ بعض احباب نے کہا کہ یہ غصہ کی بات ہے۔ جو کسی مقصد سے نہیں کہی گئی نہ کسی آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا حسنین رضا خاں صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی غیظ و غضب اور پریشانی کی باتوں کا پہلے سے کسی قدر اندازہ تھا۔ اس لئے میں اس جملہ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے کہہ بھی دیا کہ اعلیٰ حضرت کا وصال پہلے ہوگا اور حاجی کفایت اللہ صاحب مجاور بن کر بیٹھیں گے۔ اس واسطے کہ ان کی ایسے وقت بھی کوئی بات بے معنی نہ دیکھی تھی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب اعلیٰ حضرت کا وصال 1340ھ میں ہوا تو حاجی صاحب موجود تھے اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مصروف تھے۔ یہ بھی دُنیا نے دیکھا کہ وہ مجاور بن کر بیٹھ بھی گئے۔ مگر اس بات کی گہرائی اور اس کا پورا مفہوم برسوں بعد منظر عام پر آیا جبکہ حاجی صاحب نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل صاحبزدگان و خلفاء اور مخلصین اعلیٰ حضرت سے احاطہ درگاہ میں اپنے دفن ہونے کی تحریری اجازت مانگی۔ مخالف تو درکنار ان مذکورہ بالا حضرات نے ان کی تائید میں نہ صرف اجازت نامے لکھے بلکہ مضامین تک لکھے، جو حاجی صاحب نے کتاب کی صورت میں چھپوا کر شائع بھی کر دیئے۔

شہر کے اندر دفن ہونے کیلئے چیئرمین سے اجازت لینا ہوتی ہے، تو ان کی درخواست پر چیئرمین نے بھی فوراً منظوری دے دی۔ اعلیٰ حضرت کے پائیں کی طرف ایک حجرے میں انہوں نے ایک قبر کھدوا کر اپنے لئے تیار کر لی۔ جب یہ سب کام مکمل ہو گئے تو حاجی صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے اور اس تیار شدہ قبر میں دفن ہوئے۔

لوگوں کو ان کی تدفین کے بعد جبل پور والے اعلیٰ حضرت کے ارشاد کا مطلب بخوبی سمجھ میں آیا کہ اعلیٰ حضرت کے جبل پور والے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ حاجی مرنے کے بعد بھی میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ یعنی حاجی صاحب کی قبر بھی اعلیٰ حضرت کے قریب ہی بنے گی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ
کی روحانی کرامت

حضرت علامہ نور احمد قادری فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی روحانی کرامت حضور پاک خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کا فیض ہے جو اولیاء اللہ کو عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشار ہو جانے کے باعث مبدائے فیض سے اس لئے عطا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کو اس کی بدولت انقلابی رفتار سے حلقہ بگوش اسلام کیا جا سکے۔ یعنی ایک ایک دو کی تعداد میں نہیں بلکہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں انہیں مسلمان کیا جا سکے۔ انقلابی رفتار کا یہی مطلب ہے عہد رسالت میں بھی کفار مشرکین کے قبائل حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات دیکھ کر ایک ایک دن میں بے شمار تعداد میں مسلمان ہوئے پھر عہد رسالت کے بعد دُنیا میں جہاں جہاں بھی اسلام جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلا۔

اس کا سبب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے معجزات کا فیض یعنی بزرگان دین اولیائے کاملین کی روحانی کرامات تھیں، جنہیں کفار و مشرکین نے دیکھا اور صداقت اسلام کا عملی طور پر لوہا مانا اور جوق در جوق حلقہ اسلام میں شامل ہوئے بلکہ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ پورا علاقہ کا علاقہ مسلمان ہوگیا۔ سیّدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سلطان الہند خواجہ غریب النواز اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واقعات کرامات تو اس قدر زبان زد خاص و عام ہیں کہ یہ بات بالکل تاریخی حیثیت سے واضح ہے کہ ایک ایک دن میں ان کی روحانی کرامات دیکھ کر کئی کئی ہزار غیر مسلمانوں نے اسلام قبول کیا اور بستیوں کی بستیاں مسلمان ہوگئیں، یہاں اس مختصر بیان میں ان تاریخی واقعات کے دھرانے کی گنجائش نہیں، جنہوں نے تاریخ اسلام کا اس حیثیت سے مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں اور اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اسلام کو انقلابی حیثیت سے پھیلانا اولیاء اللہ ہی کا روحانی کارنامہ اور عظیم کام ہے۔

وہ مامور میں بارگاہ کرامات ہوتے ہیں کمال علمی کے ساتھ ساتھ انہیں کمال روحانیت یعنی کرامات مبدائے فیض سے عطا ہوتی ہے اور کرامت ایک صاحب مقام اور امور بارگاہ ولی اللہ کی ایسی ہی صفت ہے جیسی کہ چمکتی ہوئی کرن سورج کی صفت ہے سورج دنیا کو اپنی کرن نہیں دکھاتا بلکہ کرن خود بخود اس کی روشنی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح ولی اللہ بھی اپنی کرامات اہل دنیا کو دکھاتا نہیں پھرتا بلکہ وہ خود بخود ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامت فی الحقیقت حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نور رسالت اور معجزہ کی جھلک اور فیض ہے جو انہیں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشار ہو جانے کی بدولت مبدائے فیض سے ملتا ہے اور کرن کی طرح ان سے ظہور میں آتا ہے۔ اور دیکھنے والوں کے دلوں کو نور ایمانی سے روشن کر دیتا ہے۔ نبوت حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی مگر نبوت کا مشن یعنی دین اسلام کا پھیلتے رہنا عاشقان رسول اللہ یعنی علمائے ربانی کے ذریعہ برابر جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا جو قرآن پاک کی اصطلاح کی اولیاء اللہ اور تصوف اسلامی کی اصطلاح میں واصلین حق کہلاتے ہیں۔

اسلام کا انقلابی طور پر پھیلانا حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی طرف سے ان عاشقان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بارگاہ خداوندی کے مقبول یعنی اولیاء اللہ کی ڈیوٹی ہے۔ لہٰذا اس اشاعت اسلام کے سلسلہ میں جو بھی روحانی کرامت ان علمائے ربانی یعنی اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ دراصل فیض ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نور رسالت اور معجزات کا جو مبدائے فیض ہے ہر ولی اللہ کو بقدر ان کے درجہ ولایت عطا ہوتا ہے۔ ہر ولی اللہ سے کرامت خود بخود ظاہر ہوتی ہے اور کفار و مشرکین اولیاء اللہ کی اس روحانی کرامت یا روحانی کمال کو دیکھ کر ہی اسلام کی آسمانی صداقت پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو جاتے ہیں اگر ایک مبلغ اسلام میں یہ کمال روحانیت کی صفت موجود نہ ہو تو وہ اسلام نہیں پھیلا سکتا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح کہا ہے کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اس لئے ایک مبلغ اسلام کیلئے کمال روحانیت کی صفت ضروری ہے اور یہ صفت ہے صرف اولیاء اللہ ہی کی کہ انہیں علمی کمال کے ساتھ ساتھ یہ روحانی کمال یعنی کرامت بھی عطا ہوتی ہے اور وہ بارگاہ کبریٰ کے مامورین ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ امر واضح ہے کہ کرامت ہر ولی اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اور خود بخود ظاہر ہوتی ہے کوئی نہ کوئی واقعہ اس کرامت کے ظہور کا موجب بن جاتا ہے اور مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ دین کی اشاعت ہو اور غیر مسلم اس کرامت کو دیکھ کر خود بخود بلا کسی جبر و اکراہ کے حلقہ بگوش اسلام ہو جائے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے۔ اس روحانی کرامت کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز کے بھی سیّدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طریقت قادریہ کے ایک عظیم ولی اللہ کی حیثیت سے بے شمار واقعات ہیں یہاں بخوف طوالت ان میں سے صرف ایک واقعہ کو پیش کرنے کو اکتفا کیا جاتا ہے۔ یعنی حقیقت تاریخی کے لحاظ سے یہ ایک ایسا واقعہ کرامت ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک صاحب اقتدار اور تعلیم یافتہ انگریز بمعہ اپنے پورے کنبہ کے مسلمان ہوا اور ایسا مسلمان ہوا کہ پھر اس نے اپنی بقیہ زندگی دین کیلئے وقف کر دی اور اس نے اپنے وطن جا کر اسلام کی زریں خدمات انجام دیں۔

یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ سبق آموز اس لئے ہے کہ یہ واقعہ اس بات کا ایک درس ہے کہ حضر ہو یا سفر، خدا اور رسول کا خوف دل میں رکھنے والے نماز کسی حالت میں نہیں چھوڑتے، عشق الٰہی کی رسی کو ہر حال میں ہاتھوں سے تھامے رہتے ہیں اور دلچسپ اس لئے ہے کہ سائنسی عقل رکھنے والے بھی روحانیت کے کمال کو ماننے پر مجبور ہو گئے، سائنسی علم کے ساتھ روحانی حقیقت کو بھی انہوں نے تسلیم کیا اور اسلام کی حقانیت کا دامن پکڑ لیا۔

یہ واقعہ اعلیٰ حضرت کی زندگی کے بے شمار واقعات کرامات میں سے ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔ یہ واقعہ کرامت اعلیٰ حضرت کے وصال 1921ء سے چند ماہ قبل کا واقعہ ہے۔ ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت اکثر سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں عرس غریب نواز کے موقع پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے دیوان صاحب کیا کرتے تھے جس میں علماء فضلا دور دور سے آکر وعظ سننے کیلئے شرکت کرتے بعض دفعہ دکن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خاں بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے۔ اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کیلئے بے شمار خلقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجمیر شریف عرس خواجہ غریب نواز میں حاضری کیلئے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے۔ دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کیلئے بی بی اینڈ سی آئی آر ریل چلا کرتی تھی، دوران سفر جب یہ ریل گاڑی پھلیرہ جنکشن پر پہنچی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھلیرہ اس دور کے ہند کا بہت بڑا ریلوے جنکشن ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کیلئے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے۔ اس لئے یہ میل گاڑی پھلیرہ سٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ ٹھہرا کرتی تھی۔

بہر کیف جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے تو پھلیرہ جنکشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لئے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انہوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰ حضرت ہر وقت باوضو رہتے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے اور امامت کیلئے آگے بڑھے اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں ان شاءاللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے ہیں۔ آپ لوگ قطعاً اس بات کی فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔

یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھانا شروع کر دی۔ مغرب کے فرضوں کی جب ایک رکعت ختم کر چکے تو ایک گاڑی نے وسل دے دی۔ پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہو گئے مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی ہی جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی دوسری رکعت مغرب کے فرائض کی چل رہی تھی گاڑی نے اب تیسری اور آخری وسل بھی دے دی مگر ہوا کیا کہ گاڑی کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا میل گاڑی تھی کوئی معمولی پسنجر گاڑی نہ تھی۔ اس لئے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ کیا ہوا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

انجن کو ٹیسٹ کرنے کیلئے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف دھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی، انجن بالکل ٹھیک تھا مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف دھکیلتا تو انجن رُک جاتا تھا، آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا اپنے کمرہ سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو آیا چلتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا، کوئی اس میں خرابی نظر نہ آئی مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا اور انچ بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرہ کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا۔

اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کرو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کیساتھ جوڑو تو بالکل پٹڑی پر جام ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ گارڈ مسلمان تھا اس کے ذہن میں بات آگئی اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھ رہا ہے کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی یہ گاڑی مشکل ہی چلے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے۔ بس ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔

اسٹیشن ماسٹر اگرچہ انگریز تھا مگر وہ اولیاء اللہ کو مانتا تھا اس کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق عبادت اور خشوع وخضوع کا یہ روح پرور منظر دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور پھر با آواز بلند دُرود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہو گئے۔ جب یہ دعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ حضرت! ذرا جلدی فرمائیں، یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیت عبادت کے سبب چل نہیں رہی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور اِنشاءَ اللہ پھر گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا نہیں کر سکتا، نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، فرض کو کیسے چھوڑا جائے، گاڑی اِن شاءَ اللہ نہیں جائے گی، جب تک کہ ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے۔

اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوگئی، اعلیٰ حضرت اور انکے مریدین نے سکون کیساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کرلی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہو کر انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا کہ اِن شاءَ اللہ اب گاڑی چلے گی، ہم سب نماز سے فارغ ہوگئے، یہ کہا اور بمعہ اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے، گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا، مگر اس واقعہ کرامت کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہرکیف گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہوگئے مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا، رات بھر وہ اسی غور و فکر میں رہا، اس کو نیند نہ آئی۔ صبح اٹھا تو چارج اپنے ڈپٹی کو سنبھال کر بمعہ اپنے افراد خاندان کے حاضری کیلئے اجمیر شریف کو چل پڑا، تاکہ وہاں درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر اسلام قبول کرے۔

جب اجمیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے وہ وعظ میں شریک ہوا۔ بیان سنا اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اس نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چھوم لئے اور عرض کیا کہ جب سے آپ پھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں، میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا، آخر اپنے افراد خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہوگیا ہوں اور اب آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقین کامل ہوگیا اور مجھے پتا چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے ہزار ہا زائرین دربار خواجہ کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نو افراد خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبدالقادر رکھا۔ حالانکہ اس کا انگریزی نام رابرٹ تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا۔ آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلہ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ اتباع سنت کا خیال رکھنا، نماز کسی وقت نہ چھوڑنا، نماز روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے اور جب موقع ملے تو حج پر بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ بھی ادا کرنا اور ہمیشہ خدمت دین کا خیال رکھنا اس لئے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کیلئے ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جاؤ تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے ان تمام افراد خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلواؤ، غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا اور اپنی عارفانہ جنبش نگاہ سے اس کے شیشہ کو عشق رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عطر سے بھر کر اس کی روح کو مہکا دیا، وہ اسلام کا شیدائی و وارفتہ ہوگیا۔

اس انگریز اور ایک عظیم انگریز کے اس قبول اسلام کا یہ واقعہ اس وقت ایک اہم واقعہ تھا اس لئے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا انگریز نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانہ کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔ اہل علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی کیا کرتے تھے اس انگریز کے بمعہ افراد خاندان مسلمان ہوجانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگہ میں ہل چل پڑگئی۔ مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل گئی یعنی گورے گھبرا گئے ان کے پادری بوکھلا گئے یہ کیا کم انقلابی واقعہ تھا۔

پھر اس نومسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا، زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی، وہ پھر قرآن کریم ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا اور پھر وہاں جا کر اسلام کی خدمت کیلئے وقف ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اسکی ساری کایا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرکے کام کا آدمی بنادیا، منزل پر پہنچادیا۔ اس کو ملت اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنادیا، اولیاء اللہ نے ہمیشہ اسی طرح انقلابی طور پر اسلام پھیلایا اور پرچم اسلام کو سربلند کیا۔ ان کا ہر نقش قدم ایک مسلمان کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور بیانگ دہل یہ دعوت دیتا ہے کہ ہمیشہ اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چل کر دین کی بے لوث خدمت انجام دو اور اتباع سنت کا پورا خیال رکھو بس نجات اسی میں ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا منظوم کلام

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ...... بیجا سے ہے المنۃ اللہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی ...... یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وجہ شہرت یقینی طور پر نعتیں لافانی نعمتیں ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ بعثت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آج تک اس قدر کثرت سے کسی ایک شخصیت کا نعتیہ کلام عوام وخواص میں معروف نہیں ہوا۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ رائج نہیں ہوا جی ہاں! اعلیٰ حضرت کا کلام واقعتاً اہل اسلام میں رائج ہوا اور ہے یوں تو ہر مسلم شاعر نے نعتیہ شاعری بھی کی ہے مگر اعلیٰ حضرت نے شاعری میں فقط نعتیہ شاعری ہی فرمائی اور ایسی شاعری جو دلوں پر رقت طاری کردے۔

خود میرا یہی حال ہے کہ جب میں اعلیٰ حضرت کی کوئی بھی نعت شریف سنتا ہوں یا پڑھتا ہوں تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔ بارہا یوں ہوا ہے کہ میں آپ کی مشہور زمانہ نعت شریف...... **لم یات نظیرک فی نظر** پڑھ رہا ہوں اور جب یہ شعر آتا ہے **مورا کون ہے تورے سوا جاناں** تو میں اپنی کم مائیگی، بے بسی اور گنہگاری کے احساس ندامت میں ڈوب جاتا ہوں اور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصوّر میں زاروقطار رونے لگتا ہوں۔ میرے بچے بے چارے سہم جاتے ہیں کہ یہ اچانک ہمارے بابا کو کیا ہوگیا ہے۔ اچھے خاصے تو نعت پڑھ رہے تھے۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ میں اپنی بچی شیزہ رضا کو کھلونے دلوانے ایک بازار میں لے گیا۔ دکاندار میرا جاننے والا تھا۔ بڑی خوش اخلاقی سے اس نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ جونہی میں دکان کے اندر داخل ہوا تو یوں لگا کسی نے میرے پاؤں زمین میں گاڑھ دیئے ہوں۔ بڑی مشکل سے دکان کے بینچ پر بیٹھ گیا۔ کوشش کی آنسو نہ نکلیں کیونکہ یہ تو خودنمائی ہوجائے گی۔ مگر اس وقت اپنے اوپر اختیار کس کو تھا۔ اشعار تھے کہ گویا میرے جذبات کی ترجمانی تھی۔ نعت شریف ختم ہوئی تو میں بغیر کھلونے خریدے ہی گھر کی جانب چل دیا۔ میرے آنسوؤں کی رواں اور ہچکیوں کی واضح آواز نے دکاندار کو بھی آبدیدہ کردیا اور میں آنکھوں پر ہاتھ رکھے گھر کی جانب چلا، مبادا کوئی دوست یہ نہ پوچھ لے کہ تم روئے کیوں ہو۔

یہی شان اعلیٰ حضرت کی سبھی نعتوں کی ہے کہ بندہ اپنے احساسات ان اشعار میں محسوس کرتا ہے۔ گویا یہی تو وہ خود کہنا چاہتا تھا مگر ادائیگی اعلیٰ حضرت کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کو اگر اہل سنت والجماعت کا نبض شناس کہا جائے تو قطعی بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ جو بھی خیال کسی بھی مسلمان کا ہے اعلیٰ حضرت نے اس کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

یہ آپ ہی کی رفیع الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے نعت گوئی کو شاعری کی دوسری اصناف سے زیادہ معزز اور ایک موثر تحریک کی شکل دی۔ یہی صورتحال ہمیں انیس و دبیر میں دکھائی دیتی ہے کہ انہوں نے اہل بیت کی مرثیہ نگاری میں کمال حاصل کیا اور آج تک ان کی سطح کا کوئی مرثیہ نگار پیدا نہیں ہوا بلکہ یوں کہیئے کہ مرثیہ نگاری کو انیس و دبیر نے بام عروج تک پہنچایا مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے عشق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار کیلئے نعتیہ اشعار کا انتخاب کیا اور سبھی شعراء کیلئے ایک مثال بن گئے۔ جہاں کہیں نعتیہ شاعری کی بات ہوئی تو ذکر اعلیٰ حضرت کا ہی ہوا۔ آپ کی نعتوں اور نعتیہ، قصائد نے صحیح معنوں میں میلاد کی محافل اور دینی جلسوں میں مستقل جگہ حاصل کی اور آپ کے سلام مصطفیٰ جان رحمت پر لاکھوں سلام نے بعد از نماز فجر اور بعد از نماز جمعۃ المبارک مستقل جگہ حاصل کی۔ رفتہ رفتہ انہی نعتوں کی وجہ سے نعت گوئی کو ایک فن تسلیم کیا گیا اور بہت سے لوگوں نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ یقینی طور پر اُردو نعت گوئی میں قبول عام اور فضیلت فقط اعلیٰ حضرت کے ہی حصہ میں آئی، وگرنہ آپ سے پہلے اور مابعد بھی کسی شاعر نے اس قدر کثرت سے نعتیہ کلام پیش نہیں کیا۔ بلا مبالغہ آپ کی نعتوں کا ایک ایک لفظ مصرعہ اور ایک ایک شعر عشق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

آپ کی خدمت اقدس میں کالی داس گپتا کا ایک مضمون پیش کرتا ہوں۔ کالی داس کا مختصر تعارف کچھ یوں ہے کہ یہ بھارت کے بہت ہی معروف شاعر ہیں، کالی داس گپتا ایک طویل عرصہ تک افریقہ میں قیام پذیر رہے جب وہ بھارت واپس آئے تو انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام کو ملاحظہ کیا، کالی داس گپتا نے جب آپ کے مجموعہ کلام حدائق بخشش کا مطالعہ کیا تو اعلیٰ حضرت کو انیسویں صدی کا بہترین اردو شاعر تسلیم کیا اور پھر انہوں نے ایک مضمون تحریر کیا جس کا عنوان ہے: ...... رضا، داغ اور میر ......

آیئے ملاحظہ فرمایئے۔

تقریباً ربع صدی کے افریقہ کے قیام کے بعد مجھے ہندوستان پلٹے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ اس لئے جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے نام اور کام سے بھی میری واقفیت چند ہی دنوں کی ہے۔ تاہم جب میرا ایک دوست اور عزیز اشتیاق احمد خان اوردی نے مجھے مولانا کی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں موسومہ حدائق بخشش (حصہ اول و حصہ دوم) برائے مطالعہ عنایت کیں تو معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی اس درجہ کی ہے کہ انہیں انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔

مولانا موصوف کے سلام اور نعتیں کبھی کبھار سننے میں آجاتے ہیں، مگر وہ صرف مذہبی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ باہری حلقوں میں ادبی لحاظ سے نہ ان کو پرکھا جاتا ہے، نہ ان سے کسی قسم کا ادبی اور شعری حظ اٹھایا جاتا ہے۔ میری شاعری کی عمر بھی 35 سال سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے اور میری ذاتی کتب خانے میں شعر و شاعری سے متعلق تاریخی، ادبی، علمی کتابوں اور قدیم و جدید شعراء کے

دیوانوں اور تذکروں کا قابل لحاظ اور نادر ذخیرہ موجود ہے۔ جو تقریباً تمام وکمال میری نظر سے گزر چکا ہے۔ مگر مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حدائق بخشش کے دو نہایت معمولی لکھائی، چھپائی والے مجموعوں کے علاوہ مولانا کے ہزاروں اشعار میں سے ایک حرف بھی میرے ہاں موجود نہیں ہے اور مذکورہ بالا دو مجموعوں کا حال یہ ہے کہ کتابت کی غلطیوں نے بہت سے اشعار کو بے معنی اور وزن سے ساقط کر کے رکھ دیا ہے۔

مولانا کو جاں بحق ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے مگر کسی تذکرہ میں انہیں شعراء کے زمرے میں شمار نہیں کیا گیا۔ صرف ایک جگہ اس کا ذرا سا تعارف نظر آیا وہ بھی براہ راست نہیں، بلکہ ان کے چھوٹے بھائی حسن بریلوی مرحوم کے ذریعہ سے (دیکھئے جمخانہ جاوید جلد اول از لالہ سری رام، صفحہ نمبر ۴۵ میں حسن بریلوی کا حال) چونکہ بھائی ہونے کے ناطے حسن مرحوم اور مولانا کا حسب نسب ایک ہی ہے۔ اس لئے یہاں ترجمے کا پہلا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سخن ور خوش بیاں ناظم شیریں مولانا حاجی محمد حسن رضا خان بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہل سنت وشاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی، آپ کے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کئے کا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ماہ ربیع الاوّل 1276ھ کو پیدا ہوئے۔ آپکے آباؤ اجداد دہلی کے رہنے والے تھے آپکے جدامجد سعادت علی خاں صاحب کی وفات تک تو آپ کے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اس کے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی۔ چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپ کے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علی شاہ صاحب بہت بڑی دولت وثروت چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے تھے اور صاحب کشف وکرامات گزرے ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان داغ سے تلمذ تھا۔ مولانا حسن بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے۔

تاہم حیرت ہے کہ اس ضخیم تذکرہ میں انکے بڑے بھائی عالم اہلسنت اور نعت گوئی میں ان کے استاد جناب احمد رضا خان کے مجموعہ جات نے جگہ نہ پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیر اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اس طرح عوام نے انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں تاہم نعتیں اور سلام ہی سہی ذرا سی غور وفکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل ودماغ پر مسلط کر دیتے ہیں جو محض ایک سخن ور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت سے پیچھے نہ رہتا۔ نہیں معلوم کہ انہوں نے کسی سے باقاعدہ صلاح لی تھی کہ نہیں تاہم ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی۔ عاشقانہ رنگ کا جو تغزل کی جان ہے، یہ رتبہ ہے کہ اگر نعت کے مخصوص رنگ کے اشعار الگ کر دیئے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے۔ ذیل میں مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

غالب کی مشہور زمین دل ہی تو ہے نہ سنگ خشت میں داغ کی بھی ایک غزت گلزار داغ میں ہے جو صحیح معنوں میں زبان داغ کا نمونہ ہے۔ اتفاق سے مولانا احمد رضا خاں کی بھی ایک نعت اسی زمین میں۔ دونوں ہم عہد شاعروں کا بیک وقت لطف اٹھایئے۔ ایک اپنے عہد کا سب سے بڑا استاد غزل اور دوسرا بڑا نعت گو مگر بحیثیت شاعر گمنام۔ چند ہم قافیہ اشعار ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

داغ ۔

جملہ رفیق و ہم طریق رہزن راہ عشق نہیں
سایہ خضر کیوں نہ ہو ساتھ ہمارے آئے کیوں

رضا ۔

جان سفر نصیب کو کسی نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں

داغ ۔

عشق و جنوں سے مجھ کو لاگ ہوش و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اٹھائے کیوں

رضا ۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

داغ ۔

ہاں نہیں غیرت رقیب خیر میں بے حیا سہی
جو نہ دوبارہ آسکے بزم سے تیری جائے کیوں

رضا ۔

دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں

داغ۔

لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزم جہاں میں آئے کیوں

رضا۔

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

غالب کا یہ شعر زبان زد عام ہے۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

معانی کے ساتھ طرز ادا بانکپن ایسا ہے کہ اس پر سو غزلیں قربان۔ ردیف گویا اس سے بہتر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے غالب کی غزل کے صدقے لفظ 'میں' کو 'سے' بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ نعت اور غزل ایک جان کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ مطلع دیکھئے:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

داغ کے ہم عصر امیر مینائی کے جو علم وفن میں داغ سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ مشہور مطلعوں میں ایک مطلع یہ ہے اور واقعی بہت خوب ہے۔

جب سے باندھا ہے تصور اس رخ پر نور کا
سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغ طور کا

لیکن مولانا نے تقریباً اسی زمین میں ایسا نعتیہ مطلع کہا ہے کہ مضمون آفرینی کی انتہا کر دی جائے۔

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

ایک اور ہم قافیہ شعر، امیر ؎

اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو
دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو

رضا ؎

کانٹا مرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

امیر کے دیوان مراۃ الغیب کی ایک غزل کے چند ہم قافیہ اشعار ملاحظہ فرمایئے۔ مگر یہ نہ بھولئے کہ امیر کے اشعار ان کی غزل سے لئے گئے ہیں اور مولانا کے ان کی نعتوں سے۔

امیر ؎

یہ تر و تازہ ہے کہ تمہارا عارض
یہ دھواں دار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائیں رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

امیر ؎

بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا
تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو

رضا ؂

شانہ ہے پنجۂ قدرت تیرے بالوں کے لئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو

امیر ؂

مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں
کھل گئے کس کے یہ دریا کے کنارے گیسو

رضا ؂

تار شیراز مجموعہ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اکدم ہوں کنارے گیسو

امیر ؂

دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغ خورشید
شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو

رضا ؂

تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

مندرجہ بالا زمین ردیف کی ثقافت کی وجہ سے ایسی بنجر ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے پھول کھلانا ممکن نہیں۔ لہٰذا دونوں کے اشعار میں طراوت وخوش بیانی کا ایک حد تک فقدان ہے لیکن اب ہم مولانا کے چند ایسے نعتیہ اشعار پیش کریں گے، جو اساتذہ غزل کی شان کے ہیں ان میں چستی و بندش، زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کے وہ نمونے ملیں گے کہ لمحہ بھر کیلئے بولنا پڑے گا کہ یہ اشعار نعتوں کے ہیں۔

شمع یادِ رُخِ جاناں نہ بجھے
خاک ہو جائیں بھڑکنے والے

کوئی اُن تیز رووں سے کہہ دو
کس کے ہو کر رہیں تھکنے والے

دل سلگتا ہی بھلا ہے اے ضبط
بجھ بھی جاتے ہیں دہکنے والے

جب گرے منہ سوئے میخانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

کام زنداں کے لئے اور ہمیں | شوق گلزار ہے کیا ہونا ہے
بیچ میں آگ کا دریا حائل | قصد ان پار ہے کیا ہونا ہے
دل ہمیں تم سے لگانا ہی نہ تھا | اب سفر بار ہے کیا ہونا ہے
منہ دکھانے کا نہیں اور سحر | عام دربار ہے کیا ہونا ہے
چھپ کے لوگوں نے کیئے جس سے گناہ | وہ خبردار ہے کیا ہونا ہے

ان کے نقش پا پہ غیرت کیجئے | آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے
ان کے حسن ملاحت پر نثار | شیرہ جاں کی حلاوت کیجئے
ڈوب کر یاد لب شاداب میں | آب کوثر کی سباحت کیجئے
سر سے گرتا ہے ابھی بار گناہ | خم ذرا فرق ارادت کیجئے

مولانا کسی صنف سخن میں پابند نہیں۔ انہوں نے جگہ جگہ صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ رباعی بھی نہایت پختہ کہتے ہیں، اس مختصر سے مقالے میں ان سب کو گنجائش نہیں۔ صرف چند ہی رباعیاں پیش کی جاتی ہیں تا کہ کہے کا پاس رہے۔

محصور جہاں دانی و عالی میں ہے | کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو ایک وصف میں ہوتا ہے کمال | بندے کو کمال بے کمالی میں ہے
کس منہ سے کہوں رشک رعنا دل ہوں میں | شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقائی صنعت نہیں آتی مجھ کو | ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

مولانا نے آئمہ کی شان میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک رباعی سنئے۔

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین | اس نور کی جلوہ گر تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصہ کیئے | آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین